انتخاب الہلال

★

ابوالکلام آزاد

بار سوم ـــــــ ۱۹۶۰ء
قیمت ـــــــ دو روپے آٹھ آنے

ناشر
محمد رفیق ملک - اوبستان ـــــ لاہور

طابع
اشرف پریس - لاہور

فہرس

الحرب ۷
الحرب دارالاسلام ۲۵
قدیم ترین محاصرے اور مدافعت ۷۹
ان الحکم الا للہ ۱۳۱
اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان ۱۵۱
سنِ ہجری ۱۹۱

مولانا ابوالکلام آزاد کی عظیم شخصیت، اُن کی مذہبی،
سیاسی اور علمی سرگرمیاں محتاجِ تعارف نہیں۔
۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد آپ کے والد کو ہندوستان

چھوڑنا پڑا اور وہ کئی سال عرب وقسطنطنیہ میں رہے۔ اسی دوران میں ۱۸۸۸ء میں مکہ میں مولانا آزاد کی پیدائش ہوئی۔

چودہ برس کی عمر میں آپ نے جامع الازہر میں علوم مشرقی کا تمام نصاب پورا کر لیا تھا اور اس قدر استعداد پیدا کر لی تھی کہ آپ کو مختلف مضامین پڑھانے پر مامور کر دیا گیا تھا۔

۱۹۱۲ء میں آپ نے کلکتہ سے ہفتہ وار اخبار "الہلال" جاری کیا جس میں آزاد کا قلم پارۂ آتش ثابت ہوا۔ الہلال کا وجود اردو صحافت میں ایک عظیم الشان انقلاب تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے تھوڑے ہی عرصہ میں قوم کے مذہبی وسیاسی معتقدات میں انقلاب برپا کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی بھی بیش بہا خدمت سرانجام دی۔ الہلال کی انقلاب انگیز دعوت سے متاثر ہو کر مولانا محمود الحسن کو اعتراف کرنا پڑا کہ "ہم سب اصلی کام کو بھولے ہوئے تھے، الہلال نے یاد دلا دیا"۔

مولانا آزاد نے اسی الہلال کی وساطت سے مذہب کی بھی تبلیغ کی اور سیاست کی بھی۔ مولانا کے مضامین نے دلوں پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ تعلیم یافتہ طبقہ جو مذہب سے متنفر تھا خدا کی عبادت میں بڑے بڑے زاہدوں سے بھی چار قدم آگے نکل گیا دورِ جدید میں مذہب کو اگر کسی نے سیاست سے صحیح طور پر ملا دیا ہے تو وہ تنہا مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔

پیش نظر کتاب الہلال کے بلند پایہ مضامین کا پہلا مجموعہ ہے جس میں صرف وہی مضامین شامل ہیں جو تقریر و تحریر کے بادشاہ ابوالکلام آزاد کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہیں۔

محمد رفیق ملک

الحرب

قانونِ جنگ کی زُود شکنی

بوہروں اور انگریزوں میں جنگ ہوئی۔ پھٹنے والے گولوں کا استعمال قانونِ جنگ کی رُو سے ممنوع تھا مگر انگریزوں نے استعمال کیا دم دم کی گولیاں سخت مہلک اور ممنوع الاستعمال ہیں مگر ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں نے استعمال کیں۔ ہتھیار رکھ دینے کے بعد حریف کی فوج پر ہتھیار اٹھانا جائز نہیں مگر تسلیم پلونا کے بعد آدھ گھنٹہ تک روسی توپ خانے پلونا پر گولے برساتے رہے۔ تجارتی بندرگاہوں پر گولہ باری ممنوع ہے مگر اطالیہ نے ۱۹۱۱ء میں ساحل بیروت پر گولہ باری کی۔ غیر مسلح جوانوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں مگر نخلستان طرابلس اور میدانہائے مقدونیہ میں بلا تمیز ہر مسلم کو قتل کیا گیا۔

انسان کی ابتدائی حالت

قدیم ترین زمانے میں انسان کی غذا کی یہ حالت تھی کہ درختوں کے برگ وبار اور خود رو نباتات کھاتا اور چشموں اور دریاؤں کا پانی پیتا تھا۔ جب یہ چیزیں ختم ہو جاتیں تو اُن کی نیابت کمزور اور سریع الحصول حیوانات کرتے۔ انسان ان کو پکڑ لیتا اور کچا کھا جاتا۔ کچا اس لئے کہ اس وقت فنِ طبخ عالمِ وجود میں نہیں آیا تھا۔ جب جانور بھی ختم ہو جاتے تو اس جگہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جاتا۔

قیام گاہ کے لئے وہ ہمیشہ قربِ آب کو ترجیح دیتا تھا تا کہ پینے کے لئے پانی اور کھانے کے لئے خود رو درخت اور پانی پینے کے لئے آنے والے جانوروں کے کافی ذخیرہ تک اُس کا دسترس رہے۔ اس طرح عرصہ تک انسان خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتا رہا۔ اس عرصہ میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ اتفاق سے دو یا دو سے زیادہ خاندان ایک ہی وقت میں ایک ہی مقام پر پہنچے۔

انسان خود کام پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے بمقتضائے فطرت ہر خاندان کی

خواہش ہوئی کہ وہی اس جگہ فروکش ہو۔ ان میں سے ہر ایک نے چاہا کہ دوسرا چلا جائے مگر خود نہیں گیا۔ زبانی گفتگو ہوئی مگر کچھ طے نہ ہوا۔ بات بڑھی اور قدرتی سادہ ترین ہتھیار یعنی دانت، ہاتھ اور پیر کام کرنے لگے ———— (غالباً) دنیا کی سب سے پہلی جنگ اسی طرح وقوع پذیر ہوئی۔

ایسا بارہا ہوا کہ غذا کی ضرورت ہوئی، جستجو کی مگر کامیابی نہیں ہوئی یا ایسے وقت ضرورت ہوئی جس وقت کہ جستجو ناممکن تھی۔ ان تلخ تجارب نے انسان کو حفظ ماتقدم کے لئے غذا جمع کرنے کی تلقین کی۔ کچھ صدیاں اسی حالت میں گزریں۔ اس عرصہ میں انسان نے تمدن میں ترقی کی اور ضروریات اور گردوپیش کے حالات کی رہنمائی سے زراعت اور جانوروں کی پرورش شروع کی۔ خشک سالیوں اور امراض نے انسان کو بتایا کہ احتیاط یہ ہے کہ جس قدر زیادہ اسبابِ زندگی پر قبضہ ہو سکے کر لیا جائے۔ اس جذبہ نے فطرتی خود کامی کے ساتھ آمیز ہو کے یہ خیال پیدا کیا کہ اگر ممکن ہو تو ان اسباب زندگی پر بھی قبضہ کر لیا جائے جو دوسروں کے زیر تصرف ہیں اس کے لئے ضرورت قوت کی تھی۔ اس لئے ہر خاندان نے اپنے اور اپنے رشتہ دار خاندانوں کے ارکان سے جتھے تیار کئے اور دوسروں کے زیرِ تصرف اسبابِ زندگی پر یورش کرنے لگے۔

نسل میں افزائش ہوئی۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں حملہ یا مدافعت کو کامیاب بنانے کے لئے متحدہ کوششیں کرنے لگیں۔ اس طرح چھوٹی چھوٹی حملہ آور ٹولیوں نے بڑی بڑی فوجوں کی شکل اختیار کر لی اور معمولی حملہ کے بدلے اب بڑی بڑی جنگیں برپا ہونے لگیں۔ اس وقت ایک ایسے شخص کی ضرورت محسوس ہوئی جو ان

ہزاروں مقاتلین کو لڑا سکے۔ ظاہر ہے کہ اس منصب کا مستحق وہی ہو سکتا ہے، جو اوروں سے زیادہ شجاع، زیادہ دانشمند اور امورِ جنگ سے زیادہ باخبر ہو۔ ممکن تھا کہ نوجوانوں میں دانشمند تر اور شجاع تر مل جاتے مگر اس کا کیو نکر اطمینان ہوتا کہ جوشِ شباب انہیں شجاعت کی حدود سے نکال کر تہوّر کی حد تک نہ لے جائے گا۔ اس کے علاوہ دانشمندی تجربے کی نیاز مند ہے۔ اس لئے یہ خدمت ان سال خوردہ افراد کے سپرد کی گئی جو شجاعت و دانشمندی کے ساتھ تجربہ کاری کی صفت بھی رکھتے تھے۔

ایک شخص کی چشم و ابرو کی گردش پر ہزاروں انسانوں کا جنبش کرنا انسانی حیات کا سب سے بڑا منظر ہے۔ شیوخ قبائل نے خدمت سالاری حاجت روائی کے لئے لی تھی، مگر اب شان و عظمت افسری سے جو ذوق آشنا ہوئے تو ان کو سالاری میں لطف آنے لگا۔ مقاتلین نے جنگ ضرورتاً کی تھی مگر جب فتح و ظفر نے اُن کو سربلندی سے روشناس کیا، تو شیوخ کی طرح اُن کو بھی جنگ میں لطف آنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب جنگ اسبابِ زندگی کے بدلے جلالِ سالاری اور لطفِ سربلندی یا بالفاظ دیگر کشورستانی اور حکمرانی کے لئے ہونے لگی۔

نپولین کہتا ہے۔ "جنگ ایک وحشیانہ حرکت ہے۔" بالفاظ دیگر جنگ کا سرچشمہ وحشت ہے۔ ممکن ہے کہ سرچشمہ جنگ کی بابت نپولین کی رائے صحیح ہو۔ مگر جہاں تک ہماری رائے کی پرواز ہے یہ خیال صحیح نہیں۔ دنیا ہزاروں برس آگے نکل آئی ہے۔ یورپ میں آفتاب بعلم نصف النہار پر ہے۔ خروشِ تمدن و تہذیب سے کارزارِ ہستی پُر آہنگ ہے۔ یا دگار رہا ہے وحشت کے محو کرنے کے لئے عرق ریز کوششیں ہو رہی ہیں۔ وحشت اور بہیمیت سے ہر شخص (غلط یا صحیح طور پر)

تیزی کم رہا ہے مگر بایں ہمہ بقول ایک تشبیہ طراز کے "یورپ آخری اشارۂ جنگ کی منتظر مسلح اقوام کا کیمپ ہے۔"

پس اگر جنگ کا سرچشمہ وحشت ہوتی تو آج کم از کم یورپ سے جنگ کا تمام ساز و سامان محو ہو جاتا۔ حالانکہ اس متاع کی سب سے بڑی منڈی وہی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر جنگ کا سرچشمہ وحشت نہیں تو پھر کیا ہے؟ موجودہ علم الاخلاق کا ایک بنیادی مسئلہ ہے کہ خود کامی اور خود دوستی نوعِ انسانی میں دو عالمگیر جذبے ہیں۔ دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا، جو خود دوستی سے خالی ہو۔ یہی خود دوستی اور خود کامی قدرتی طور پر باہمی مناقشت و تصادم کا باعث ہوتی ہے اور ہر قوم، ہر جماعت، ہر خاندان بلکہ ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ دنیا کی بہترین چیزیں صرف اُسی کے قبضہ میں رہیں۔ اور اگر نہیں ہیں تو آ جائیں۔

افسری و سیادت گو پُرخطر ہیں مگر دلکش ہیں۔ گو موجودہ حالت میں اہلِ ہند اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

انسان کی خود دوستی و خود کامی اس کو ترغیب دیتی ہے کہ جس طرح ہو، لطفِ سیادت سے بہرہ یاب ہو۔ پس درحقیقت جنگ کا سرچشمہ وحشت نہیں بلکہ خود کامی ہے جس کے پیشِ نظر کبھی "اسبابِ زندگی" اور کبھی "افسری و سیادت" ہوتی ہے۔

تمدّن و جنگ

تمدّن مانع جنگ ہے یا محرک جنگ؟ یہ ایک سوال ہے جس پر بارہا

خامہ فرسائیاں ہو چکی ہیں۔ قناعت بخش جواب کے لئے پہلے دو امور پر غور کر لینا ضروری ہے۔

۱۔ اسباب جنگ کیا ہیں؟

۲۔ تمدّن کا ان پر کیا اثر پڑتا ہے؟

ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ جنگ کا سرچشمہ "اسباب زندگی" یا سیادت کے لئے انسان کی صرف خود کا مانہ کوشش ہے۔ تمدّن نے زندگی کو نہایت پُر تکلف اور گراں کر دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زندگی جس قدر پُر تکلف ہوتی جائے گی اتنی ہی زیادہ اسباب زندگی کی ضرورت ہوگی۔ اور جس قدر زیادہ ضرورت ہوگی، اسی قدر اُس کے لئے انسان زیادہ سرگرمی سے کوشش کرے گا۔

سیادت کا آغاز فرق مراتب سے ہے اور فرق مراتب کا آغاز تمدّن سے جب تک کوئی قوم متمدّن نہیں ہوتی اُس وقت تک تمام افراد یکساں حیثیت سے رہتے ہیں، لیکن جس قدر اُن میں تمدّن آ جاتا ہے، اسی قدر فرق مراتب پیدا ہو جاتا ہے اور جس قدر فرق مراتب واضح ہوتا جاتا ہے اسی قدر جاہ پسند افراد میں سیادت طلبی کا شوق پیدا ہوتا جاتا ہے۔

تم اگر ایک محض وحشی قبیلے میں جاؤ تو نشست و برخاست، گفتار و کردار وضع و قطع غرض کسی طرح سے بغیر دریافت کئے یہ نہ معلوم کر سکو گے کہ اُن میں شیخ القبیلہ کون ہے۔ لیکن اب اگر کسی گاؤں میں جاؤ تو وہاں نہیں عام آبادی میں کچھ فرق نظر آئے گا۔ گاؤں سے قصبہ میں جاؤ، وہاں فرق کسی قدر نمایاں ہوگا اور پھر شہر میں اس سے زیادہ۔ اگر کسی دربار شاہی میں جاؤ گے تو فرق مراتب کا ایک محیر العقول

طلسم زار دیکھو گے۔

غور کرو کہ صحرا، گاؤں، قصبہ، شہر اور دربار میں بعض امور مشترک ہیں اور بعض مفترق ہیں۔ امر مشترک یہ ہے کہ ہر جگہ بالادست اور زیردست ہیں۔ اور امر مفترق یہ ہے کہ بعض جگہ بالکل تمدّن نہیں، بعض جگہ تمدّن ہے مگر ناقص، بعض جگہ کامل تر اور بعض جگہ (اس زمانہ کے اعتبار سے) کامل ترین۔ جہاں تمدّن نہیں ہے، وہاں دونوں طبقوں کا فرق غیر ظاہر ہے۔ جہاں تمدّن کم ہے، وہاں ظاہر ہے مگر کم۔ جہاں پورا تمدّن ہے وہاں پوری طرح یہ فرق ظاہر ہے۔ پس اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ تمدّن سیادت طلبی کے لئے محرّک اور باعث ہے۔ اس علم کے بعد کہ تمدّن اسبابِ جنگ کو کم کرنے کے بدلے بڑھانے والا ہے بآسانی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ تمدّن مانعِ جنگ ہے یا محرّکِ جنگ؟

ایک بدیہی شہادت

یورپ کے تمدّنی تقدّمات اس قدر روشن ہیں کہ اُن کے بیان کی ضرورت نہیں، لیکن بایں ہمہ جنگ کی بابت اس کی کیا حالت ہے؟ اس کا جواب ایک مشہور نقّاد و مورّخ کی زبانی یہ ہے:—

"وہ (SELF LOVE) متمدّن اقوام میں غیر متمدّن اقوام سے قوی تر ہے کیونکہ علم انسان کے دائرۂ عقل کو وسیع اور مطالب کو کثیر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کی ضروریات بڑھ جاتی ہیں اور اس کو کشاکش کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ وہ قومیں جو اپنی فطری حالت میں باقی ہیں باوجودیکہ تاخت و تاراج اور یورش و جنگ میں ڈوبی ہوئی

ہیں۔ لیکن پھر بھی ان میں ایسے اخلاق پائے جاتے ہیں جو طبع کی شدت کو کم کر دیتے ہیں۔ میری مراد اس سے وہ عادت ہے جس کو ـــــ (CHIVALRY) کہتے ہیں۔ یہ عادت خونریزی اور جنگ کے موقوف کرنے میں بھی بارہا اسی طرح کامیاب ہوتی ہے جس طرح کہ بارہا جنگ کا سبب ہوئی ہے۔

متمدن اقوام کی جنگ تمام تر شخصی مطامع پر مبنی ہوتی ہے ان میں شیوالیری CHIVALRY کا مطلقاً وجود نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسی بنا پر لوگ کہتے ہیں کہ "سیاست کا دل نہیں"۔

متمدن قوموں میں ہر قوم اپنے ہمسایوں کی طرف حسد کی نگاہ سے دیکھتی رہتی ہے۔ اگر اس کی قدرت میں یہ ہوتا کہ وہ سب کو زیرنگیں کرے تو ہرگز دریغ نہ کرتی۔ مگر چونکہ یہ اس کے بس میں نہیں ہے اس لئے وہ بلی کی طرح دبکی ہوئی ہر ایسی فرصت کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہے جس میں وہ اُچک کے کسی شہر پر قبضہ کر لے۔ اور اپنے حدود سلطنت کو وسیع کر سکے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ کسی عذر کے بغیر تلوار نہیں نکالتی۔ مگر اکثر عذر فرضی اور غلط ہوتے ہیں۔

جب کوئی سلطنت دوسری سلطنت کا ملک لینا چاہتی ہے تو پہلے وہ یہ دیکھتی ہے کہ وہ اس پر غالب آسکتی ہے یا نہیں۔ اگر غالب آسکتی ہے تو پھر کوئی نہ کوئی عذر تلاش کر لیتی ہے اور اس عذر کی بنا پر اعلان جنگ کر دیتی ہے۔ لیکن اگر غالب

نہیں آسکتی، تو انھی سے قوی تر عذروں کے موجود ہوتے ہوئے بھی جنگ کا نام نہیں لیتی۔

جنگ کیلئے سبب آفرینی

فاضل نقاد نے جنگ کے لئے متمدن اقوام کی سبب آفرینی کی بابت جو کچھ لکھا ہے گو وہ حرف بحرف صحیح ہے مگر تاہم چند مثالوں کا طالب ہے۔

ہندوستان دنیا کی تمام حوصلہ مند قوموں کا منظور نظر رہا ہے۔عہد قبل تاریخ سے لے کر اس وقت تک ہر عالی حوصلہ قوم نے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ فرانس کو اس کا خیال نہ ہوتا۔اس کے علاوہ ایک مدت تک بعض قطعات پر حکومت بھی کرچکا تھا مصر ہندوستان کی کنجی ہے اور بجائے خود بھی سرسبز اور زرخیز ملک ہے۔ان گوناگوں ترغیبات کی وجہ سے فرانس کے اولوالعزم جنرل نپولین کے دل میں فتح مصر کا خیال پیدا ہوا۔اُس نے فرانسیسی حکومت کے ممبروں کی ایک مجلس مدعو کی جس میں فتح مصر کا ارادہ ظاہر کیا۔ وجوہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ

"وہ (مصر) دنیا کی سرسبز ترین زمینوں میں سے ہے اور ہندوستان کا راستہ ہے۔"

دیگر ممبران حکومت نے اس تجویز سے اتفاق کرنے میں تردد کیا، تو نپولین نے کہا کہ اگر اس تجویز سے اتفاق نہ کیا گیا تو وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہوجائے گا مجبوراً تجویز منظور کی گئی۔نپولین بیڑا لے کے اسکندریہ کے ساحل پر آیا لیکن داخل ہوا تو باشندوں میں ایک فرمان اس مضمون کا شائع کیا کہ

"ہم اس لئے یہاں آئے ہیں کہ تمہارے ظالم حکمرانوں کے پنجے سے تم کو نکالیں اور فرانسیسیوں کے ساتھ جو بدسلوکیاں انہوں نے کی ہیں اُن کا انتقام لیں۔"

جزائرالمغرب ایک زرخیز ملک ہے۔ فرانس کی دیرینہ آرزو تھی کہ وہ اس کی نوآبادیوں میں آجائے مگر اس کے لئے فرصت کا منتظر تھا۔ نپولین نے جب مصر فتح کرنا چاہا، تو اُس کے لئے الجزائر کے ایک یہودی مہاجن سے کچھ روپیہ قرض لیا قرض کی ادائیگی میں عمداً دیر کی گئی۔ ایک دن فرانسیسی قونصل امیر الجزائر کے پاس بیٹھا تھا۔ قرض کا ذکر آیا تو فرانسیسی قونصل نے کوئی سخت نا ملائم لفظ استعمال کیا، جس پر امیر کو غصہ آگیا۔ امیر کے ہاتھ میں ایک پنکھا تھا۔ اُس نے وہی پنکھا قونصل کے منہ پر مارا۔ قونصل نے اس کی اطلاع اپنی حکومت کو کی۔ جزائر پر جنگ کے لئے یہ علت کافی سے زیادہ تھی۔ فوج کشی کی گئی اور فتح کر لیا گیا۔

۱۸۹۲ء سے قبل تک تو تمام مؤرخین جنگ فرانس و پروشیا کا ذمہ وار فرانس کو قرار دیتے تھے، مگر اس کا اصلی ذمہ دار کوئی اور تھا اور جو تھا بعد کو خود اُس نے اقرار کر لیا۔

اسی اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فرانس اور جرمنی میں جب اسپین کی بابت اختلاف پیدا ہوا، تو فرانس نے موسیو دبنیڈیٹی کو شاہ پروشیا سے ملنے کے لئے بھیجا۔ موسیو مذکور شاہ پروشیا سے ۹ جولائی ۱۸۷۰ء کو ایمس میں ملا اور اختلاف انگیز نقطہ کے متعلق گفتگو کی۔ شاہ نے موسیو کو جواب نامنظوری کی صورت میں دیا، مگر ایسے الفاظ میں جن میں توہین کا شائبہ بھی نہ تھا۔ (بسمارک) کو معلوم تھا کہ شاہ کا جواب

نامنظوری ہوگا لیکن وہ چاہتا تھا کہ جواب کا لہجہ سخت ہو تاکہ فرانس کو غصہ آئے اور جنگ کا آغاز اُسی کی طرف سے ہو۔ جب بسمارک کو شاہ کے لطف آمیز جواب کا علم ہوا تو اُس نے پیچ و تاب کھایا اور سوچنے لگا کہ اس کے متعلق کیا کرنا چاہیئے؟ (بسمارک) اپنے مفکّراتِ خصوصیہ میں جو اس کے مرنے کے بعد شائع ہوئی ہیں لکھتا ہے کہ

"میں نے ارادہ کیا کہ اپنے عہدہ سے استعفےٰ دے دوں۔ میں نے ایک پارٹی دی جس میں مارشل (مولٹک) اور (رون) کو مدعو کیا۔ ہم لوگ کھانے کی میز پر تھے کہ تار والا آیا اور مجھے ایک تار دیا۔ اس تار پر شاہ کے مشیرِ خاص کے دستخط تھے۔ اور (ایمس) سے آیا تھا۔ جب اس کا مضمون پڑھا گیا تو میں نے دیکھا کہ سفیرِ فرانس کے مقابلہ میں شاہ کی کمزوری سے میرے دونوں ہم صحبتوں کے چہروں پر غم کے آثار نمایاں ہونے لگے اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے تار کو کئی مرتبہ پڑھا۔ شاہ نے مجھے اس تار کے اشاعت کی اجازت دے دی تھی۔ میں نے فوراً قلم اٹھایا اور ایک فقرہ کاٹ کر اس کی جگہ دوسرا فقرہ بنا دیا جس سے تار کا اثر بالکل بدل گیا۔ اس کے بعد مارشل (مولٹک) کی طرف متوجہ ہوا اور فوج پر اعتماد، جنگ کے نتیجہ، اپنی مہمات اور تیاری کی تکمیل تک انتظار و اہمال کے متعلق چند سوالات کیئے۔ مارشل مذکور نے سب کے جواب میں یہ کہا کہ اگر جنگ ناگزیر ہے تو پھر عجلت بہتر ہے کیونکہ التوا ہمارے لئے خطرات

انگیز ہوگا۔ اس کے بعد میں نے ان کو ترمیم شدہ تار سنایا۔ تار کے سنتے ہی اُن کی شگفتہ پیشانی صاف ہونے لگیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ یہ تار نصف شب سے قبل فرانس پہنچ جائے گا۔ اس کا اثر علم سُرخ کے برابر ہوگا۔ ہماری کامیابی اس امر کے ساتھ وابستہ ہے کہ ہمارے مقابلہ میں اعلانِ جنگ کیا جائے تاکہ ہم یورپ میں علی الاعلان کہہ سکیں کہ ہم حملہ آور نہیں ہیں بلکہ مدافع ہیں۔"

اہلِ ٹرانسول کے پیغام صلح کے جواب میں لارڈ (سالیسری) نے تو یہی کہا تھا کہ اہلِ ٹرانسول نے آغاز جنگ کیا مگر راست گو مؤرخین اعلان کرتے ہیں کہ ٹرانسول کے متعلق انگلستان کی نیت عرصہ سے خراب تھی۔ وہ عمداً اہلِ ٹرانسول سے ہمیشہ جھگڑتا رہتا تھا۔ تاکہ وہ مجبور ہو کر اعلانِ جنگ کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب اہلِ ٹرانسول کی پریشانی ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئی تو انہوں نے مجبوراً اعلانِ جنگ کیا۔

خسائرِ جنگ

خسائرِ جنگ کا اندازہ نہایت دشوار ہے۔ جنگ میں صرف جان و مال ہی ضائع نہیں ہوتے بلکہ کارزار کی اجتماعی و اخلاقی حالت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ نپولین کہتا ہے کہ

"جنگ میں اخلاقی قویٰ اس قدر گر جاتے ہیں کہ اس میں اور جسمانی قویٰ میں ۳ اور ۴ کی نسبت رہ جاتی ہے۔"

تاریخ کے قدیم ترین زمانہ سے لے کر اس وقت تک تخمیناً ۶۰۰ عظیم الشان

جنگیں ہوئی ہیں جن میں سے صرف قرون وسطیٰ کی جنگوں میں تخمیناً ۱۶ ارب ۸۶ کروڑ جانیں کام آئیں۔ بالفاظ دیگر چند صدیوں میں موجودہ آبادی سے کئی گونہ زیادہ آدمی ضائع ہوئے۔

جس طرح کہ جنگ میں کام آنے والی جانوں کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان مصارف کا بھی صحیح تخمینہ نہیں کیا جا سکتا، جو سلطنتوں کو دوران جنگ میں برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ مگر تاہم قرون آخری کی چند مشہور جنگوں کے خسائر کے متعلق ایک سرسری اندازہ کیا گیا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

انگلستان

جنگِ کریمیا ـــــ ۶ کروڑ ۹ لاکھ پونڈ اور ۲۷ ہزار نفوس

جنگ جرمنی و انگلستان ۱۸ کروڑ ۲۰ لاکھ پونڈ تعداد نفوس غیر معلوم

جنگ انگلستان و فرانس ۸۳ کروڑ ۱۰ لاکھ پونڈ تعداد نفوس غیر معلوم

فرانس

جنگ کریمیا ـــــ ۹ کروڑ ۲۰ لاکھ پونڈ اور ۴ لاکھ ۴۲ ہزار نفوس

جنگ فرانس و پروشیا ۳۱ کروڑ ۶۰ لاکھ پونڈ اور ۱۳۸۸۷۰ نفوس

روس

جنگ کریمیا ـــــ ۱۴ کروڑ ۲۰ لاکھ پونڈ اور ۹۵ ہزار نفوس

ان چند نامکمل تخمینوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ معمولی جنگوں کے علاوہ صرف ۱۶۰۰ مشہور جنگوں میں کتنی جانیں اور کس قدر مال ضائع ہوا ہوگا۔

مشاہیرِ یورپ کے اقوال

ان عظیم الشان نقصانات کی بنا پر مشکل سے کوئی ایسا فلسفی ملے گا جس نے جنگ کی نکوہش نہ کی ہو۔ مگر ایک فلسفی سے جنگ کی نکوہش عجب نہیں، تعجب تو یہ ہے کہ خود بعض ان لوگوں نے جنگ کو بُرا کہا ہے جن کا شمار دنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں ہے۔ چنانچہ نپولین کہتا ہے کہ "جنگ وحشیانہ اور بُری حرکت ہے خواہ وہ کتنی ہی شکلیں بدلے۔ مگر بہر حال وہ عہدِ وحشت کی ناگوار یاد ہے۔"

(ولنگٹن) کہتا ہے "اگر تم ایک دن بھی جنگ کو دیکھ لو، تو خدا سے دعا مانگو کہ پھر وہ تمہیں روزِ جنگ نہ دکھائے۔" اسی کا یہ مقولہ ہے کہ "جنگ میں شکست سے بد تر فتح ہے۔"

ممنوعاتِ جنگ

کہا جاتا ہے کہ تمدنِ جدید کا یہ ایک وصفِ امتیازی ہے کہ اس میں جنگ بھی پابندِ قانون ہے۔ گو واقعہ یہ ہے کہ وہ اس باب میں بھی آفتابِ اسلام سے ضیا اندوز ہوا ہے۔

اربابِ تمدن کا بیان ہے کہ ان قوانین کا مقصد شدایدِ جنگ کو کم کرنا ہے مگر افسوس کہ واقعات اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ ہم دیکھتے ہیں ہر روز مہلک سے مہلک تر اسلحہ ایجاد ہوتے ہیں۔ پس اگر قوانینِ جنگ کی غرض اصلی شدایدُ کی تخفیف ہوتی تو ان اسلحہ کی ایجاد یا کم از کم استعمال ممنوع ہونا۔

اصل یہ ہے کہ تمدن و قانون باہمدگر لازم و ملزوم ہیں۔ جن قوموں میں تمدن بالکل نہیں اُن میں کوئی قانون نہیں اور جن قوموں میں جس قدر تمدن ہے۔

اسی قدر قانون بھی ہے۔ چونکہ قرونِ آخری میں تمدّن نے غیر معمولی ترقی کی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قانون نے بھی اُسی قدر ترقی کی۔ اور صلح سے گزر کر جنگ تک آپہنچ گیا۔ اور رفتہ رفتہ تمام زندہ قوموں کی زبانوں میں اس موضوع پر بھی ایک معقول ذخیرۂ ادب تیار ہوگیا۔

ان تمام قوانین کی تفصیل نہایت طویل ہے۔ اس وقت ہم ممنوعاتِ جنگ میں سے چند دفعات نقل کر دیتے ہیں۔

۱۔ ہتھیار رکھ دینے کے بعد دشمن کو زخمی کرنا۔

۲۔ زخمیوں پر حملہ کرنا۔

۳۔ دشمن کی طرف سے جب امان طلب کی جائے، تو اُس کی منظوری سے انکار کرنا۔

۴۔ گرفتاری کی حالت میں دشمن کی توہین و تعذیب کرنا۔

۵۔ دشمن پر اچانک حملہ کرنا۔

۶۔ ایسے گولوں کا استعمال جس سے دشمن کے زخمیوں کو بے فائدہ تکلیف ہو۔

۷۔ زہر میں بجھے ہوئے تیروں، پسے ہوئے شیشے یا دم دم کی گولیوں کا استعمال کرنا۔

۸۔ آتش گیر گولوں کا استعمال جب کہ فریقینِ جنگ عیسائی ہوں۔

۹۔ ایسے گولوں کا استعمال جن کا وزن چار سو کیلو گرام سے زیادہ ہو یا جن میں آتش گیر مادے بھرے ہوں۔ (یہ دفعہ ۱۸۶۸ء میں سینٹ پیٹرسبرگ کی

کانفرنس میں طے ہوئی تھی)

۱۰۔ زہر کا استعمال خواہ کنوؤں، چشموں، نہروں وغیرہ میں ڈالا جائے یا کھانے میں ڈالا جائے یا اسلحہ اس میں بجھائے جائیں۔

۱۱۔ بغیر اعلانِ جنگ کے دفعتہً حملہ کر دینا۔

۱۲۔ جھوٹ بولنا (مگر فتح و نصرت کی جھوٹی خبریں شائع کرنا بالکل جائز ہے)

۱۳۔ عہد شکنی کرنا۔

۱۴۔ سامان کی گاڑیوں پر سُرخ جھنڈا (جو مریضوں کی گاڑیوں کی علامت ہے) نصب کرنا۔

۱۵۔ تجارتی بندرگاہوں پر گولہ باری کرنا۔

۱۶۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر تلوار اٹھانا۔

ان واقعات میں جو امور ضروری اور سود مند ہیں وہ وہی ہیں جن کو اسلام تیرہ سو برس پہلے کہہ چکا ہے۔

قوانینِ جنگ کی زُود شکنی

تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی دو غیر مساوی قوموں میں جنگ ہوئی ہے تو تمام قوانین دفعتہً ٹوٹ گئے ہیں۔ اور قوی قوم نے اپنے حریف کو زک دینے کے لئے جو وسائل مناسب معلوم ہوئے ہیں اختیار کئے ہیں۔ مثلاً بوہروں اور انگریزوں میں جنگ ہوئی۔ پھٹنے والے گولوں کا استعمال قانونِ جنگ کی رُو سے ممنوع تھا مگر انگریزوں نے استعمال کیا۔ دم دم کی گولیاں سخت مہلک اور ممنوع الاستعمال ہیں مگر گزشتہ غدر میں انگریزوں نے استعمال کیں۔ ہتھیار رکھ دینے کے بعد حریف کی فوج

پر ہتھیار اٹھانا جائز نہیں مگر تسلیم ہونا کے بعد آدھ گھنٹہ تک روسی توپ خانے پلونا پر گولے برساتے رہے۔ تجارتی بندرگاہوں پر گولہ باری ممنوع ہے مگر اطالیہ نے ۱۹۱۱ء میں ساحل بیروت پر گولہ باری کی۔ غیر مسلّح جوانوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں مگر نخلستان، طرابلس اور میدانہائے مقدونیہ میں بلا تمیز ہر مسلم کردمہ قتل کیا گیا۔ مختصراً یہ کہ بقول حکیم سولن قانون "تار عنکبوت" ہے جو اپنے سے کمزوروں کو دبا لیتا ہے مگر اپنے سے قوی سے ٹوٹ جاتا ہے۔ پس واقعہ یہ ہے کہ ـــــــــ لَاحُکْمَ اِلَّا الْقُوَّۃ۔

الحرب و الاسلام

انقلاب ماہیت جنگ

اسلام کا اصل مقصد صلح و سلام ہے لیکن صلح و سلام ہی کے قیام کے لئے اُسے تلوار پکڑنی پڑی اور خونریزی کو محو کرنے کے لئے خونریز فتنہ کا خون بہانا پڑا ———— جہادِ اسلامی کا مقصد خون سے خون ہی کے دھبوں کو دھونا اور جنگ سے جنگ ہی کا خاتمہ کرنا تھا ————!

"حرب" اور "اسلام" میں کسی قسم کا اتحاد و ائتلاف نہیں۔ ترکیب ہجائی کے لحاظ سے ان دونوں لفظوں میں ایک حرف کا بھی اشتراک نہیں پایا جاتا مفہوم لغوی میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہے۔ حرب کے لغوی معنی سے ایک ایک بچّہ واقف ہے۔ لیکن اگر کوئی بدقسمت انسان ایسا ہے جس کو اس تحقیق کی ضرورت ہے، تو قاموس اور لسان العرب کی ورق گردانی کی جگہ اس کو دنیا کی بربادیوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ جس کا ایک ایک صفحہ اس لفظ کی عبرت انگیز تفسیر کرتا ہے۔ اگر اُس کو اس سے بھی تسکین نہ ہو، تو یورپ کا میدانِ کارزار ایک مبسوط لغت کی طرح دنیا کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ خون کی دھاریں اس کی ایک ایک سطر کو نمایاں کر رہی ہیں۔ ان سطروں میں اس لفظ کی شرح آسانی کے ساتھ نظر آ سکتی ہے۔

لیکن ایسی حالت میں جب کہ ارضِ الہٰی کا امن سمندر کی خونین لہروں میں

ڈوب گیا ہے، صلح و آشتی کی دیوی نے خون کی چادروں میں اپنا منہ چھپا لیا ہے اور اطمینان و سکون کو خونخوار توپوں کا دہن آنہ نگل چکا ہے۔ لفظ اسلام کی لغوی تحقیق مشکل اور از بس مشکل ہے۔ ایسی حالت میں دنیا کو کیوں کر یقین دلایا جا سکتا ہے کہ اس لفظ کا مادہ سلم ہے۔ اس کے معنی صلح کے ہیں اور صلح کا آخری نتیجہ اطاعت و فرمانبرداری ہے۔

لیکن بایں ہمہ تنافی و تباین، بایں ہمہ تضاد و تقابل، بایں ہمہ تخالف و تناقض اب تک یورپ ان دونوں لفظوں کو مترادف سمجھ رہا ہے۔ ایک یورپین کے سامنے جب اسلام کا نام لیا جاتا ہے۔ تو جنگ کا ایک وسیع سلسلہ اس کے پیش نظر آجاتا ہے۔ وحشت، خونریزی، غارت گری اور بدامنی کا ایک خونین منظر اس کی نگاہ کے سامنے پھر جاتا ہے۔ وہ اس کو دیکھتا ہے تو اس کا رشتہ نگاہ خون کی دھاروں سے مل جاتا ہے۔ اس کے سامنے بے پردہ اور برہنہ لونڈیوں کی قطاریں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اس کے سامنے گنجینہ و دفائن کا ایک ڈھیر لگ جاتا ہے جن کو ہر مجاہد کا دامن حرص و آز سمیٹ لیتا ہے۔

یورپ کی قدیم و جدید تاریخ سے اگرچہ اس کا معارضہ جواب نہایت آسانی کے ساتھ دیا جا سکتا ہے۔ یورپ کے جنون مذہبی کی یادگار صلیبی جنگ کی تاریخ کا ہر صفحہ خون کی ایک چادر ہے، جس نے ایک مدت تک دنیا کے امن و آشتی کو اپنے اندر چھپا لیا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یورپ کا موجودہ میدان کارزار ایک عرصۂ رستخیز ہے جس کی توپوں کے دہانے سے یہ زلزلہ انگیز صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ   لوگو! اپنے خدا سے ڈرو کہ وقت

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ
عَظِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ
کُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ
وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ
حَمْلَهَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی
وَمَا هُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ
عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ۝

موجودہ کا بھونچال ایک بڑی ہی
مصیبت ہے۔ اس دن ہر دودھ
پلانے والی عورت اپنے شیر خوار بچے
کو بھلا دے گی اور ہر حاملہ عورت کا
حمل ساقط ہو جائے گا۔ اور تم لوگوں
کو دیکھو گے کہ متوالے اور بدحواس
ہیں۔ حالانکہ وہ متوالے نہیں ہیں بلکہ
خدا کا عذاب بڑا سخت ہے جس نے انہیں بدحواس کر دیا ہے۔

لیکن اس سوال کے تحقیقی جواب کے لئے ہم کو سب سے پہلے عرب ہی کی قدیم تاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، جہاں سے اسلام کا ظہور ہوا تھا۔ جس میں اسلام نے نشو و نما پائی تھی اور جس میں بزعم یورپ اسلام نے خون کا طوفان برپا کیا!

الحرب والعرب

عرب نے ابتدا ہی سے مثل دیگر اقوام کے جنگ کا نہایت بدنما نمونہ قائم کیا تھا۔ ان کی اکثر لڑائیاں صرف لوٹ مار کے لئے ہوتی تھیں۔ جو لڑائیاں غیرت خودداری، حمیت اور عزت نفس کے تحفظ کے لئے برپا ہوتی تھیں۔ ان میں بھی غارت گری کا وحشیانہ منظر نمایاں نظر آتا تھا۔ بلکہ اس قسم کی لڑائیوں میں بغض و عداوت کا شعلہ اُن کے وحشیانہ افعال کو اور بھی زیادہ روشن کر دیتا تھا۔

عرب کی لڑائیوں کی خصوصیات حسب ذیل ہیں :-

۱۔۔۔۔۔۔ عورتیں عموماً بے پردہ کردی جاتی تھیں اور اس کا علانیہ فخر کیا جاتا تھا اس لئے اہل عرب عورتوں کی حفاظت و ستر پوشی کو اپنا سب سے بڑا کارنامہ خیال کرتے تھے۔

۲۔۔۔۔۔۔ بغض و عداوت کے نشے میں تذلیل و تحقیر کے لئے میدان جنگ میں دشمنوں کی لاشوں کو گھسیٹنا لڑائیوں میں اکثر ہوا کرتا تھا چنانچہ یہ کہنا کہ میں نے حریف کو میدان جنگ میں پاؤں پکڑ کر گھسیٹا" اس جملہ کا مرادف تھا کہ میں نے اس کو قتل کیا" گو قتال اور یہ تذلیل لازم و ملزوم تھے۔

۳۔۔۔۔۔۔ دشمن کے ناک، کان کاٹ ڈالنا اور اُن کی صورت کو مسخ کردینا نہ صرف مردوں ہی تک محدود تھا بلکہ عورتیں اس میں مردوں سے بھی آگے تھیں۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں حضرت حمزہؓ کی لاش ہندہ کے اس وحشیانہ طرز عمل کا دردانگیز منظر پیش کرسکتی ہے۔

۴۔۔۔۔۔۔ دشمن کو زندہ آگ میں جلادینا ایک بڑا تاریخی کارنامہ خیال کیا جاتا تھا چنانچہ ایک شخص نے کسی قوم کو آگ میں جھونک دیا تھا جس کی یادگار میں عرب نے اس کو "محرق" کا خطاب دیا اور اس نے عرب کی تاریخ جنگ میں ایک نئی تلمیح پیدا کردی۔ چنانچہ ایک شاعر چند بہادران عرب کی مدح میں کہتا ہے ؎

کانوا علی الاعداء نار محرق ولقومهم حرما من الاحرام

ترجمہ۔۔۔ وہ لوگ دشمنوں کے لئے تو محرق کی آگ تھے جس نے ایک قوم کو زندہ جلادیا تھا مگر اپنی قوم کے لئے منجملہ اور پناہ گاہوں

کے ایک جائے پناہ تھے۔

استدلال لغوی

جنگ اگرچہ ہمیشہ دنیا کے لئے ایک مصیبت خیال کی گئی ہے لیکن عرب کے وحشیانہ طریقہ جنگ نے مثل روم وبابل کے اس کو اور بھی زیادہ مہیب اور خطرناک بنا دیا تھا چنانچہ عربی زبان میں جنگ کے لئے جو الفاظ، جو ترکیبیں اور جو استعارے وضع کئے گئے تھے، ان سب سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔

اہل عرب لڑائی کو آگ سے تشبیہ دے کر اس کے لئے آگ کے تمام لوازم ثابت کرتے تھے۔

واوقد نارا بینہم لضرامہا   لہا وہج للمصطلی غیر طائل

ترجمہ:۔ اور خدا دونوں قبیلوں میں لڑائی کی آگ کا شعلہ بھڑکائے جو تاپنے والے کے لئے سخت مضر ہے۔

مفرد الفاظ بھی اس قسم کے معانی پر مشتمل ہوتے تھے۔ عربی زبان میں لڑائی کے لئے ایک متداول لفظ "روع" ہے جس کے معنی خوف کے ہیں۔

اذا حملتنی والسلاح مشیمۃ   الی الروع لم اصبح علی سلم وائل

ترجمہ:۔ جب وہ گھوڑا مجھ کو مع ہتھیاروں کے سوار کر کے میدان کی طرف دوڑے گا، تو میں بکر بن وائل کی صلح کو تسلیم نہ کروں گا بلکہ لڑوں گا۔

لڑائی کو یوم کریہہ یعنی مصیبت کا دن بھی کہتے تھے اور جو لوگ مرد میدان ہوتے تھے ان کو ابن کریہہ کا خطاب دیا جاتا تھا یعنے "فرزند مصیبت"۔

اما فی بنی حصن من ابن کریھۃ　　　من القوم طلاب الترات غشمشم

ترجمہ:- کیا قبیلہ بنی حصن میں کوئی مصیبت (جنگ) کا انتقام کش اور اولوالعزم فرزند نہیں ہے۔

حرب

عربی زبان کی وسعت اس قسم کے سینکڑوں، ہزاروں الفاظ پیش کر سکتی ہے لیکن سب سے زیادہ متداول لفظ حرب تھا، جو لغوی معنی کے لحاظ سے مقاصد جنگ کی ایک جامع تفسیر ہے۔ دنیا میں صرف لوٹ مار یا بغض و انتقام کے لئے شعلہ جنگ بھڑکایا جاتا تھا۔ پہلی قسم کی لڑائیوں کی عادت نے عرب کے لئے ایک معمولی بات بنا دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے کوئی تاریخی حیثیت پیدا نہیں کی۔ لیکن دوسری قسم کی لڑائیوں کی عبرت انگیز داستانوں کو تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے، جن کے لئے اہل ادب کی اصطلاح میں "ایام العرب" کا لفظ وضع کیا گیا ہے۔

الحرب والقرآن

قرآن حکیم نے عقائد، اعمال، اخلاق اور تہذیب و تمدن کے متعلق جو اصلاحیں کیں، وہ صرف ان کی سطح باطنی تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے نتائج و خط ان چیزوں کی سطح ظاہری پر بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ الفاظ و اصطلاح اگرچہ کوئی حقیقی چیز نہیں بلکہ معانی کا غلاف ہیں جو ان کے اوپر چڑھا دیا گیا ہے لیکن چونکہ اسلام کی اصلاحیں مغز و پوست دونوں کو شامل ہیں۔ اس لئے اس نے تمام چیزوں کے ساتھ عربی لٹریچر اور عربی زبان کی بھی اصلاح کی ہے۔

زبان درحقیقت ہماری کیفیات نفسانیہ کی سفیر ہے۔ جو نہایت دیانت

داری کے ساتھ ہمارے دل کا پیغام دنیا کو پہنچا دیتی ہے۔ اس بنا پر وہ تمام تر ہمارے خیالات، ہمارے عقائد اور ہمارے اخلاق و عادات کی تابع ہے۔ وحشت کے زمانے میں چونکہ انسان کے خیالات نہایت پست و ذلیل ہوتے ہیں، اس لئے الفاظ وعبارات پر بھی اُن کا اثر پڑتا ہے۔ کمینہ قوموں میں سینکڑوں فحش لفظ اسی پستیٔ اخلاق کی بنا پر رواج پا جاتے ہیں، جن کو ایک متمدن انسان سُن بھی نہیں سکتا۔ عرب کی وحشت اور بدویت نے اس قسم کے جو الفاظ پیدا کر دیئے تھے۔ اس کو وہ اعلیٰ درجہ کا تمدن نہیں گوارا کر سکتا تھا۔ جس کو قرآن مجید پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اس بنا پر قرآن مجید نے ان تمام الفاظ کی اصلاح کی اور ان کو بدل دیا۔

اظہارِ خیالات کا سب سے زیادہ نازک موقع وہ ہوتا ہے، جہاں انسان کے وظائف زوجیت اور اجتماع تناسلی کے بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ عرب کے مشہور شاعر امرا القیس سے جس نے فحاشانہ طریقہ سے اس خیال کو ظاہر کیا تھا، تمام ادبا اسلام کی تہذیب اس سے نالاں ہے ؎

و مثلک حبلی قد طرقت و مرضع
فالھیتھا عن ذی تمائم محول

لیکن قرآن حکیم میں خاص عورتوں کے متعلق سورۂ نساء نازل ہوئی۔ چونکہ اس میں عورتوں کے نکاح وطلاق کے تمام احکام مذکور ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر نازک مواقع بھی بار بار آئے ہیں۔ لیکن قرآن مجید نے جن مہذب الفاظ اور

لطیف اشارات میں اُن کا ذکر کیا ہے، ان کو شرم و حیا اپنے چہرے کا نقاب سمجھتی ہے۔

مثلاً یہ مفہوم ادا کرنا تھا۔ کہ خلوت صحیحہ کے بعد عورتوں سے پھر مہر واپس نہیں لیا جا سکتا۔ اس کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ	اور مہر کیونکر واپس لے سکتے ہو
أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَ	حالانکہ تم میں ایک دوسرے تک
أَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا	پہنچ چکا۔ اور عورتوں نے تم سے
غَلِيظًا !	پختہ وعدہ لے لیا۔

انسان کی بعض حوائج فطریہ کا ذکر بھی اکثر حالتوں میں تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا ہے، اس لئے قرآن مجید نے جائے ضرور کا ذکر "غائط" کے لفظ سے کیا ہے جس کے معنی ہموار زمین کے ہیں۔ کیونکہ انسان قضائے حاجت کے لئے اکثر ہموار زمین ہی کا انتخاب کرتا ہے۔

أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ	اور اگر تم میں سے کوئی شخص جائے
الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ	ضرور سے آئے یا تم عورتوں کو چھو
فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا	دو اور پانی نہ مل سکے تو پاک زمین
صَعِيدًا طَيِّبًا۔ الخ	پر تیمم کر لیا کرو۔

اکثر لوگ مذاقاً یا تحقیراً اشخاص کے نام بگاڑ دیتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہی مسخ شدہ نام اُن کا اصلی نام بن جاتا ہے۔ مدینہ میں اس کا عام رواج ہو گیا تھا۔ بظاہر یہ ایک معمولی بات تھی لیکن قرآن مجید میں اس کے متعلق ایک خاص

آیت نازل ہوئی۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا
یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى
اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا
نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ
یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ج وَلَا
تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا
بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ
الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ج وَ
مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ۝

مسلمانو! کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ
اڑائے شاید وہ ان سے بہتر ہو
اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی
ہنسی اڑائے شاید وہ عورتیں ان
سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسری
کی تحقیر کی غرض سے اشارہ بازی
نہ کرو۔ لوگوں کے نام نہ بگاڑو۔
ایمان لانے کے بعد ایسے ناموں
کا ہونا کیسی بری بات ہے۔ اور
جو لوگ اس سے رجوع نہیں
کرتے وہ یقیناً ظالم ہیں۔

یہ اصلاحیں ان خیالات کے طریق اظہار کے متعلق نہیں تھیں۔ جن کی حقیقت کو اسلام نے نہیں بدلا تھا۔ لیکن اسلام نے جنگ کی حقیقت، ان کے اسباب اور ان کے مقاصد میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا تھا جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، اس لحاظ سے جنگ کے متعلق عرب کا لٹریچر اس کی اصلاح کا سب سے زیادہ مستحق تھا۔ عرب میں جنگ کے لئے سینکڑوں الفاظ، سینکڑوں محاورے، سینکڑوں ترکیبیں اور سینکڑوں استعارے پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن سب کے سب صرف ایک وحشیانہ جنگ کے لئے موزوں تھے۔ ایک

متمدن قوم، ایک ترقی یافتہ نظام، ایک صلح پسند مذہب، ایک پیام رساں امن جماعت ان الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

الجہاد

اس لئے حقیقت جنگ کے انقلاب کے ساتھ اسلام نے ان تمام الفاظ و محاورات کو بھی یک لخت متروک کر دیا اور غزوات اسلامیہ کے لئے صرف ایک سادہ لفظ "جہاد" کا استعمال کیا جس سے حرب کی طرح نہ تو غیظ و غضب کے جذبات ظاہر ہوتے تھے۔ نہ لوٹ مار، سلب و نہب اور وحشت کی بو آتی تھی، بلکہ وہ صرف اس انتہائی کوشش پر دلالت کرتا ہے، جو ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے کی جا سکتی ہے۔ خواہ بذریعہ قوتی ہو، خواہ بذریعہ زبان، خواہ بذریعہ افعال جوارح یا بواسطہ قبضہ شمشیر۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعىٰ — انسان کو صرف اپنی کوششوں ہی کا صلہ مل سکتا ہے۔

قرآن مجید نے جنگ کے ہر موقع پر اسی لفظ کا استعمال کیا ہے۔ اور قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کا اطلاق صرف جنگ و خونریزی تک ہی محدود نہیں بلکہ عموماً اس کے ذریعہ سے عام ایثار، ضبط، خاموشی، تزکیہ نفس کا اظہار کیا گیا ہے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا — لیکن رسول اور وہ لوگ جو رسول کے ساتھ ایمان لائے۔ یہ وہ لوگ

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَ	ہیں کہ انہوں نے اپنی جان ومال
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَيْرَاتُ وَ	دونوں سے جہاد کیا۔ تمام بھلائیاں
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔	صرف انہی کے لئے ہیں اور وہی
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا	کامیاب ہیں۔ اور جن لوگوں نے
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ	ہمارے لئے جہاد (ریاضت و
اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔	سعی) کی۔ سو ہم ان کو اپنے پانے

کے راستے بتائیں گے۔ اور خدا صرف ارباب احسان کے ساتھ ہے۔

اس آیت میں جس جہاد نفس و روح کا ذکر کیا ہے۔ اُسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ام الاحادیث یعنی حدیث جبریل میں بذیل تشریح "احسان" واضح تر کر دیا ہے۔

اِن تعبد اللّٰه کانك تراه	خدا کی عبادت اس طرح کرو۔ گویا
فان لم تکن تراه فانہ	تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر
یراك۔	اس طرح نہیں ہو سکتا۔ تو کم از کم

اس قدر استغراق تو ہو کہ گویا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جنہوں نے
هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا	سخت آزمائش کے بعد ہجرت
ثُمَّ جَاهَدُوْا وَصَبَرُوْا	کی پھر جہاد اور صبر کیا۔ اللہ کا فضل تیار
اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ	ہے۔ خدا ایسی صداقتوں کے بعد بڑا
الرَّحِيْمُ۔	معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا
بِالصَّبْرِ
إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا
كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ

وہ مسلمان کامیاب ہیں جنہوں نے
حق اور صبر کی وصیت کی۔
خدا ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے
جو اس کی راہ میں اس طرح استقلال
کے ساتھ صف بستہ لڑتے ہیں۔ گویا
وہ جڑی ہوئی دیوار ہیں۔

قتال اسلامی اور سلب و نہب

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد اسلامی کی حقیقت صبر و استقلال اور ضبط و ایثار سے متقوم ہوتی ہے۔ مال غنیمت اور اظہار غیظ و غضب وغیرہ اس کی حقیقت میں نہ تو داخل ہیں اور نہ اس کا خاصہ لازمی ہیں۔ وہ محض بالکل عارضی چیزیں ہیں۔ جہاد کا اصلی مقصد ان سے بہت اعلیٰ اور اشرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں طلب مال غنیمت پر عتاب الٰہی نازل ہوا تھا۔

فلما کان بدر وقعوا
فی الغنائم قبل ان تحل
لهم، فانزل الله لولا کتاب
من الله سبق لمسكم فيما
اخذتم عذاب عظيم
(ترمذی کتاب التفسیر)

جب واقعہ بدر پیش آیا تو صحابہ مال
غنیمت کے جمع کرنے میں مصروف
ہو گئے۔ حالانکہ وہ اس وقت تک
حلال نہیں ہوا تھا۔ اس پر خدا نے
یہ آیت نازل کی کہ اگر خدا کی مشیت
نے اس کا فیصلہ نہ کر دیا ہوتا۔ تو جو

مال قم نے بطور غنیمت کے اکٹھا کیا، اس پر بہت بڑا عذاب نازل ہوتا۔
اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سب سے پہلے اور دوسرے معرکہ جہاد میں غنیمت حرام تھی۔ حالانکہ اگر جہاد کا مقصد لوٹ مار ہوتا، تو قریش کا کاروان تجارت اسلام کے اس مقصود کو اچھی طرح بھر سکتا تھا۔
جذبۂ انتقام کے ایک اضطرارانہ اور بدرجۂ آخر اظہار پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے متنبہ کیا گیا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ	تم کو اس کا کوئی حق نہیں۔ یا تو خدا
اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ	ان کی توبہ قبول کرے گا۔ یا ان کو
فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔	عذاب دیگا کیونکہ وہ لوگ ظالم ہیں۔

ایفاء عہد

غدر و بے وفائی جنگ کا خاصۂ لازمی تھی۔ عورتوں، بچوں، قاصدوں اور نوکروں کے قتل میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جاتی تھی بلکہ سب کے سب نذر تیغ ہو جاتے تھے۔ دشمنوں کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ دشمن کے ناک کان کاٹ کر بطور ہار کے پہنے جاتے تھے۔ دشمنوں کو باندھ کر قتل کیا جاتا تھا۔ کھانے پینے کے لئے راستے میں کسی کو لوٹ لینا معمولی بات تھی۔ لیکن اسلام نے جنگ کی اس حقیقت کو بدل کر دفعتہً ان تمام وحشیانہ افعال کو مٹا دیا۔

لکل غادر لواء یوم	قیامت میں ہر بدعہد کے لئے
القیامۃ یعرف بہ یقال	ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا جس

هذا غدرة فلان (مسلم) — کے ذریعہ سے وہ پہچانا جائے گا
اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی عہد شکنی کا جھنڈا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

ان امراۃ وجدت فی بعض — آنحضرتؐ نے کسی غزوہ میں ایک
مغازی رسول اللہ صلی اللہ — مقتول عورت دیکھی اس پر آپ
علیہ وسلم مقتولۃ۔ فانکر — نے بچّوں اور عورتوں کو قتل سے
رسول اللہ قتل النساء — منع فرمادیا۔
والصبیان (مسلم)

مسیلمہ کذاب کا قاصد جب اُس کا خط لے کر آیا تو آپؐ نے فرمایا۔

لولاان الرسل لاتقتل — اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا۔ تو
لضربت اعناقکما (ابوداؤد) — میں تمہاری گردن اُڑا دیتا۔

ابوداؤد میں ایک اور تصریح ہے۔

لاتقتلن امراۃ و لا — عورتیں اور نوکر نہ قتل کئے
عسیفا۔ — جاویں۔

آگ میں جلانے سے قطعاً روک دیا۔

لاینبغی ان یعذب — آگ کا عذاب صرف خدا ہی دے
بالنار الارب النار (ابوداؤد) — سکتا ہے۔

اللہ اکبر ۔۔۔ ! چھٹی صدی عیسوی کے صحرانشین عربوں کا یہ اخلاق اور نوع پروری تھی، جس کی مثالیں آج بلجیم کے متمدن میدانوں میں بھی نہیں مل

سکتیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ لوٹ مار اور غارت مال و متاع سے خاص طور پر مسلمانوں کو روک دیا گیا۔

قال ان النھبۃ لیست ‏ آپ نے فرمایا کہ لوٹ مار کا مال

باحل من المیتۃ (ابوداؤد) ‏ بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے مردار لاش۔ وہ مردار گوشت سے زیادہ حلال نہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی جزئی باتیں تھیں جو بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن درحقیقت اس قسم کی چیزیں وحشت اور مدنیت صالحہ کے درمیان ایک دقیق حد فاصل قائم کر دیتی ہیں۔ مثلاً عرب رومیوں اور قرطاجنیوں کی طرح لڑائیوں میں بہت غل مچاتے تھے۔ اسی بناء پر لڑائی کو عربی زبان میں وغی کہتے ہیں۔ جس کے معنی شور و غل کے ہیں ——— ایک جاہلی شاعر کہتا ہے ؎

قد ضبحت معن بجمع ذی لجب ‏ قیساً و عبد اغم بالمنتھب

ترجمہ:۔ قبیلہ معن نے بنی قیس اور ان کے تابعداروں کو مقام منہب میں ایک شور کرنے والے مجمع کے ساتھ لوٹا۔

لیکن اسلام نے شور و ہنگامہ کی جگہ غزوات میں سکون و وقار پیدا کیا۔

کان اصحٰب النبی (صلعم) ‏ (ابوداؤد) صحابہ لڑائی کے وقت شور و غل

یکرھون الصوت عند القتال ‏ کو ناپسند کرتے تھے۔

ایک مرتبہ صحابہ نے کسی غزوہ میں زور سے تکبیر و تہلیل کے نعرے لگائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اربعوا علیٰ انفسکم انکم	آہستہ آہستہ! خدا بہرہ نہیں ہے
لا تدعون اصم (بخاری)	جس کو تم چلا کر مخاطب کر رہے ہو

عرب کی جنگجو فطرت ہمیشہ جنگ و فساد کی منتظر رہتی تھی اور اس کو حصول مال کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے ؎

فلئن بقیت لارحلن بغزوۃ	تحوی الغنائم او یموت کریم

ترجمہ:۔ اب اگر زندہ رہا تو ایک ایسی جنگ کی تیاری کرونگا جو مال غنیمت کے جمع کرنے کا بہترین ذریعہ ہوگی یا نہیں تو شریفانہ موت مرجاؤں گا۔

لیکن آپ نے صحابہ کو اس قسم کی ناگوار توقع سے منع فرمایا۔

قال لا تمنوا لقاء العدو فاذا	آپ نے فرمایا کہ دشمنوں کے مقابلہ
لقیتموھم فاصبروا (مسلم)	کی آرزو نہ کرو۔ لیکن جب سامنا
	ہو جائے تو صبر کرو۔

اوپر ہم قدیم وحشیانہ اعمال حرب کی ایک اجمالی فہرست پیش کر کے اسلامی تعلیمات کو واضح کر چکے ہیں۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ عرب جاہلیت میں جنگ و فساد اور لوٹ مار کا فخر و انبساط کے ساتھ انتظار کیا جاتا تھا۔ اور یہ انتظار قومی زندگی کے خصائص میں داخل ہو گیا تھا۔

القتال والحرب

جنگ کے یہی وحشیانہ افعال تھے جن پر "حرب" کا مفہوم لغوی مشتمل تھا اور اہل عرب نے عملی طور پر حرب کا یہی نمونہ قائم کیا تھا جیسا کہ دنیا کی اور تمام قوموں نے کیا لیکن اسلام نے جنگ کے ان تمام آثار و علائم کو مٹا کر ایک نیا مدنی

نظام قائم کیا۔ اس بنا پر لغت وحقیقت کسی حیثیت سے بھی "جہادِ اسلامی" پر حرب کا اطلاق نہیں ہو سکتا تھا پس یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاد پر ایک جگہ بھی اس لفظ کا استعمال نہیں کیا گیا البتہ جہاد کی ایک خاص صورت کی تعبیر قتال سے کی گئی ہے۔ جو ظاہری مفہوم کے لحاظ سے کوتہ بینوں کے نزدیک نہایت خطرناک لفظ ہے حالانکہ جہاد اور قتال میں ایک طرح کے عموم وخصوص کا فرق ہے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْ	مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور
تُّمُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ	کفار کو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں
ثَقِفْتُمُوهُمْ وَاَخْرِجُوهُمْ	سے اُنہوں نے تم کو نکال دیا ہو
مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوكُمْ	وہاں سے تم بھی نکال دو۔

لیکن دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاکلۃ اللفظۃ باللفظ ہے جو کلام میں زور پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ خدا اپنے متعلق کہتا ہے مَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ حالانکہ خدا مکار نہیں بلکہ پُرزور طریقہ سے یہ کفار کے اعمال شنیعہ کا جواب دیا گیا ہے۔ ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ بُرائی کا بدلہ بُرائی ہے۔ حالانکہ بُرائی خود برائی ہے لیکن اس کا بدلہ بُرائی نہیں ہے۔ بلکہ وہ قانونِ عدل کا ایک احسن نتیجہ ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا (برائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے) اسی طریقہ پر اس لفظ کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ اس کی حقیقت سیئۃ مقصود نہیں ہے۔ جس طرح خدا کے مکر کرنے سے حقیقی مکر مراد نہیں لیا جا سکتا، اسی طرح یہاں قتال سے بھی دنیا

کا عام قتال مراد نہیں ہے۔

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْ	اگر وہ تم سے مقاتلہ کریں۔ تو تم
هُمْ	بھی اُن سے مقاتلہ کرو۔

اور اگر اس کو تسلیم نہ کیا جائے، تب بھی یہ خود کفار ہی کی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے، جہاد کا اصل مقصد نہیں ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں اس کی تشریح کردی گئی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ	جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی
فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ	اُسی کے مثل زیادتی کر سکتے ہو لیکن
مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اس سے زیادہ تجاوز کرنے میں خدا
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ	سے ڈرو اور یقین کرو۔ کہ خدا
الْمُتَّقِيْنَ۔	پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

آیاتِ سِتّہ

لیکن تمام قرآن مجید میں جہاد پر حرب کا اطلاق کہیں بھی نہیں کیا گیا ہے صرف چھ جگہ حرب کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ تمام قرآن کریم جہاد کی ترغیب وتحریص سے بھرا ہوا ہے۔

۱۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا	جن لوگوں نے مسلمانوں کو نقصان
ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ	پہنچانے کے لئے ان میں پھوٹ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ	ڈالنے کے لئے، اور اس شخص کی
حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ	گھات لگانے کے لئے جس نے

قَبْلُ۔

خدا اور اُس کے رسُول سے پہلے لڑائی کی ہے۔ نیز اپنے کفر کے اظہار کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔

۲- اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى
الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا
اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ
وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ
يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ
لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ
فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

جو لوگ خدا اور اُس کے رسُول
سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد
پھیلاتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ
وہ قتل کر دیئے جائیں یا ان کو پھانسی
دے دی جائے یا اُن کے ایک ایک
دائیں ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں یا
جلاوطن کر دیئے جائیں۔ دنیا میں بھی
ان کے لئے یہ ذلت اور رسوائی
ہے۔ اور آخرت میں بھی دوسرا بڑا عذاب ہونے والا ہے۔

۳- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا
اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوٓا
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ
لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا
بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور جو رقم
سُود کی تمہاری اوروں پر باقی ہے
اس کو چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو۔ اور اگر
تم نے ایسا نہیں کیا۔ تو یقین کرو کہ
خدا اور اُس کے رسُول کا تمہارے
ساتھ اعلان جنگ ہے۔

۴- وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ہم نے یہود و نصاریٰ میں قیامت
تک کے لئے باہم دشمنی ڈال دی

كُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا
لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَ
يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ.

ہے جب جب وہ آتش جنگ بھڑکاتے
ہیں خدا اُس کو بجھا دیتا ہے مگر وہ دنیا
میں فساد پھیلاتے ہیں۔ اور خدا
مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا۔

۵۔ اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ
ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ
فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ
فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ
لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ.

وہ لوگ جن سے تم نے عہد کیا۔
مگر وہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑ دیتے
ہیں اور خدا سے بالکل نہیں ڈرتے سو
اگر تم ان کو جنگ میں پاؤ تو چاہیئے کہ
ان پر دباؤ ڈالو تاکہ جو لوگ ان کے
پیچھے ہیں ان کو بھی بھاگنا پڑے۔

۶۔ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ
حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا
الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً
حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا

جب تمہارا اور کفار کا جنگ میں مقابلہ
ہو۔ تو اُن کی گردن اڑا دو۔ یہاں تک
کہ جب خوب خونریزی ہو چکے تو ان
کو غلام بناؤ اس کے بعد یا تو
بہ احسان ان کو چھوڑ دو یا فدیہ لے
کر رہا کر دو۔ یہاں تک کہ لڑائی موقوف ہو جائے۔

پہلی آیت میں حرب کا جو استعمال کیا گیا ہے، اُس کو قتال اسلامی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک عرب تھا ابو عامر راہب، جس کی ریاست مذہبی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے صدمہ پہنچا تھا۔ اُس نے اپنے عزّ و جاہ کو قائم

رکھنے کے لئے متعدد لڑائیاں کی تھیں۔ چنانچہ آیت میں "من قبل" کا لفظ خود اس پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جب قبیلہ ہوازن نے شکست کھائی تو وہ شام کی طرف بھاگ نکلا اور وہاں سے منافقین کو پیغام دیا کہ ــــــــــ "تم آلاتِ جنگ فراہم کرو اور ایک مسجد بناؤ میں قیصر کے پاس جا کر فوج گراں لے کے آتا ہوں اور محمدؐ کو مدینہ سے نکال دیتا ہوں ــــــــــ" ظاہر ہے کہ اس جنگ کا مقصد محض بغض و انتقام، خدع و فریب، ظلم و عدوان اور طلب ریاست تھا جس پر جنگ کی حقیقت لغویہ بالکل منطبق ہو سکتی ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے اس لفظ کو اس کے صحیح مفہوم لغوی کے مطابق استعمال کیا ہے، نہ جہاد کے لئے۔

دوسری آیت قاتلین نوع، مفسدین فی الارض، غارت گران امن داستاق اور رہزنوں اور ڈاکوؤں کے متعلق ہے۔ اور لوٹ مار حرب کے مفہوم میں داخل ہے۔ اس لئے یہ آیت پہلے سے بھی زیادہ واضح ہے۔ جہاد سے اس کو ذرا بھی مس نہیں ہے۔

تیسری آیت میں بے شبہ خدا نے اپنے اور اپنے رسول کی طرف حرب کا انتساب کیا ہے لیکن جہاد یہاں بھی مراد نہیں ہے۔ خود مفسرین کو یہ شبہ ہے کہ مسلمانوں سے یہ طرزِ خطاب بظاہر صرف کلام میں زور پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے لیکن یہ کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ اسلام کی ہر جنگ مقاصد جہاد ہی پر مشتمل ہو بلکہ سیاسی حیثیت سے فوائد دنیویہ بھی اس کا مقصد ہو سکتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے یہ لفظ بھی اس جگہ اپنی حقیقت لغویہ پر منطبق ہو سکتا ہے۔ سود خواری درحقیقت

ایک راہ زنی ہے اور ہر سُود خوار ایک ڈاکو ہے جو بندگانِ خدا کے مال کو بلا معاوضہ لوٹ لیتا ہے۔ اس لئے خدا نے فرمایا۔

"جس طرح تم غریبوں کا مال لوٹ رہے ہو ہم بھی اسی طرح تمہارا مال لوٹ کر اُن کو واپس دلا دیں گے۔"

یہی حرب کے معنی ہیں۔

چوتھی آیت کسی تاویل کی محتاج نہیں۔ وہ یہود و نصاریٰ کے متعلق ہے۔ انہوں نے باہم جو لڑائیاں قائم کی تھیں، اُن کا سبب صرف بغض و انتقام اور شر و فساد تھا، جس پر لغوی حیثیت سے یہ لفظ دلالت کرتا ہے ـــــــ بایں ہمہ خدا نے اس کو پسند نہیں کیا اور اس مشتعل آگ کو بجھا دیا۔ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ۔

پانچویں آیت قبیلہ بنو قریظہ کے متعلق ہے۔ جنہوں نے اسلام کے ساتھ متعدد بار معاہدہ کر کے عہد شکنی کی تھی اور تمام قبائل عرب کو آنحضرتؐ کے ساتھ جنگ پر آمادہ کر دیا تھا۔ آیت میں حرب سے وہی حرب مراد ہے جو بنو قریظہ کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی اور یہ ظاہر ہے کہ اُنہوں نے جو لڑائیاں قائم کرائی تھیں اُن کا سبب صرف بغض و فساد تھا۔ اس لئے یہاں بھی حرب سے جہاد اسلامی مراد نہیں ہو سکتا ہے بلکہ حرب کی وہی حقیقت لغویہ سبعیہ وملعونہ مراد ہے۔

چھٹی آیت میں بے شبہ بظاہر "جہاد اسلامی" پر حرب کا اطلاق کیا گیا ہے لیکن تشریح و توضیح کے بعد معلوم ہو گا کہ یہی آیت جہاد اسلامی کا مقصد وحید

ہے اور جہاد کی حقیقت مقدس اسی لفظ میں مضمر ہے۔ چنانچہ اس کی تشریح آگے آتی ہے۔

جنگ میں صلح

یورپ نے اگرچہ فطرت کے تمام رازہائے سربستہ فاش کر دیئے۔ مگر وہ اب تک "التوحید فی التثلیث، والتثلیث فی التوحید" کی گرہ کو نہ کھول سکا۔ لیکن اسلام "السلم فی الحرب، والحرب فی السلم" کے عقدۂ لاینحل کو حل کر سکتا ہے یعنی امن وصلح میں جنگ اور جنگ میں صلح وامن "مگر اس مسئلہ میں ہم کو پہلے یورپ ہی کے کارنامۂ اعمال پر نظر ڈالنی چاہیئے۔

اسلام نے "امن وسلام" کا جو دور جدید قائم کر دیا تھا، دنیا کی سبعیت اور بہیمیت نے اگرچہ اس کو جنگ وخونریزی سے بدل دیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ کبھی کبھی سیاسی مصالح سے اس فراموش شدہ حقیقت کا نام زبانوں پر آہی جاتا ہے اور اس بھولے ہوئے خواب کی یاد تازہ کر لی جاتی ہے۔ انہی مصالح سے پچھلے دنوں بمقام ہیگ ایک عجیب وغریب مجلس صلح کا انعقاد ہوا تھا، جس کا نام ارباب سیاست نے "ہتھیار بند صلح" رکھا تھا۔

عرب کے ایک شاعر نے کسی قبیلہ کی ہجو میں کہا تھا "نہ وہ مرد ہیں نہ عورت جس طرح شتر مرغ کہ نہ چڑیا ہے نہ اونٹ" اسی طرح اس صلح کی حقیقت بھی اگرچہ مشتبہ ہے لیکن اس کے بعد کے خونیں واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ شتر مرغ بھی صرف بعض خاص موسموں میں اپنا سایہ ڈال سکتا ہے۔

تاہم جنگ وصلح کی اس آمیزش نے دنیا کے لئے یہ نہایت دلچسپ سوال

پیدا کر دیا کہ کیا جنگ کا خاتمہ ہو سکتا ہے ؟ کیا جنگ کی تپش میں تپتے ہوئے پھر دوں پر پھر دائمی صلح کا ظلِ انعام اپنا سایہ ڈال سکتا ہے ؟

یورپ کے بڑے بڑے ارباب سیاست اور ارباب حل و عقد نے اس سوال کا جواب مختلف طریقوں سے دیا ہے لیکن ایک صلح پسند شخص کے لئے ان میں ایک جواب بھی تسکین بخش نہیں۔

امریکہ کا سابق پریزیڈنٹ روزویلٹ کہتا ہے۔

"ہاں دنیا کو صلح و آشتی کے وسائل فراہم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے لیکن ہر صلح بھی پسندیدہ نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں بہت سے ظالم ایسے پیدا ہو گئے ہیں، جن کا سینہ جنگ فتح کا ایک ہولناک میدان ہے لیکن وہ اس میدان کو صلح کا خوشنما سبزہ زار کہتے ہیں۔

بہت سے لوگ بزدلی، ضعف عزیمت اور مکر و فریب کو بھی صلح کے پردے میں چھپا رہے ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اپنے آپ کو اس صلح سے الگ رکھیں جس کی ترکیب ظلم اور بزدلی سے ہوتی ہے۔ تاہم ظالمانہ لڑائیاں بہت اور ظالمانہ صلح کم ہیں لیکن دونوں کی دونوں قابل نفرت ہیں۔"

لارڈ اوبیری (سر جان لیک) کی رائے ہے۔

"مجھے صلح کی توقع بہت کم ہے۔ خود ہم انگریز اپنے بحری و بری مصارف جنگ کو بڑھا کر دنیا کے سامنے جنگ کی تیاری کا بدترین نمونہ پیش کر رہے ہیں۔"

سر فریڈرک پولایک نے اپنے وسیع قانونی تجارب کی بنیاد پر جو اُن کو زمانہ جج میں حاصل ہوئے ہیں، یہ رائے قائم کی ہے۔

"عام خیال ہے کہ سلطنتوں کے جھگڑے بھی شخصی نزاعوں کے مثل ہیں۔ اس لئے حکم کے ذریعہ اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ لیکن سلطنتوں کی اکثر حالتیں اشخاص سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً باہمی معاہدوں کے دفعات کی تشریح یا ان کی خلاف ورزی کا فیصلہ عدالتوں اور ثالثوں کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔ سب سے بڑا مسئلہ سیادت واقتدار کا ہے جس کو ایک سلطنت کسی ملک پر قائم کرنا چاہتی ہے۔ ان تمام باتوں کا فیصلہ صرف تمام سلطنتوں کے اتفاق واتحاد ہی سے ہو سکتا ہے اور اس اتحاد کو اس قوت سے زیادہ مضبوط ومستحکم ہونا چاہیئے جو اس کی حریف بن کر اس کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے۔ پھر یہ اتفاق بھی صرف چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کو روک سکتا ہے۔ وہ عظیم الشان سلطنت جو دوسری سلطنت کو حقارت سے دیکھتی ہے یا اس کو اپنے ساتھ ملالینے کی قدرت رکھتی ہے اس اتفاق کی بھی پروا نہیں کر سکتی۔"

سر گلبرٹ پارکر نہایت دلیری سے صلح کانفرنس کے خلاف اپنا یہ خیال ظاہر کرتے ہیں:۔

"میں صلح کی خوشنما امیدوں سے اپنا دل بہلا نہیں سکتا۔ واقعات ہم کو ایک عظیم الشان جنگ کی دھمکی دے رہے ہیں جب تک وحشت

موجود ہے۔ جب تک غیر مکمل طور پر تہذیب یافتہ قومیں زمین پر آباد ہیں، اتفاق واتحاد ناممکن ہے۔ ہم کو خدا پر بھروسہ کر کے اپنے بازو کو خشک رکھنا چاہیئے۔"

مشہور مسٹر ٹامس برکلی کا خیال ہے۔

موافی صلح آسان نہیں۔ بعض لڑائیاں قانونِ ارتقا کے ثابت شدہ اصول تنازع للبقا کے لیئے کی جاتی ہیں۔ نوآبادیوں کے لیئے صرف اس غرض سے لڑائیاں قائم ہوتی ہیں کہ انسان پر اپنے ملک کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور وہ دوسری قوموں کو دھکیل کر آگے بڑھنا چاہتا ہے کیونکہ اس کے بغیر اس کی زندگی ممکن نہیں۔ بعض لڑائیاں استبداد واستقلال کے لیئے برپا ہوتی ہیں جن کی تحریک صرف ظلم کرتا ہے بعض لڑائیاں تہذیب و تمدن کے استحکام کی غرض سے قائم کی جاتی ہیں۔ اگر وحشت و بہیمیت اپنے انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہے تو اس قسم کی لڑائیاں دنیا کی سعادت مدنیہ کے لیئے مبارک فال ہیں اس کے علاوہ جہالت اور جذبات کا جوش بھی گلیتہً نہیں رکا جاسکتا ہے۔ پس اگرچہ جنگ کا انسداد کلی محال ہے تاہم ہر انگریز، ہر فرنچ، ہر امریکن، ہر جرمن اب لڑائی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کی طرف اپنا میلان نہیں ظاہر کرتا۔"

مسٹر اُزک امریکہ کے ایک سیاسی فیلسوف ہیں ان کی تمناؤں کا خوشنما سبزہ زار یہ ہے۔

"میری بڑی خواہش ہے کہ جنگ سے علیحدگی اختیار کی جائے لیکن یہ

منزل ابھی بہت دُور ہے۔ بہت سے مسائل ثالثی کے ذریعہ حل ہو سکتے ہیں لیکن آگے بڑھنے والے اقتدار و نفوذ کو کون روک سکتا ہے۔"

صلح و آشتی کی یہ آخری خدمت تھی جس کو یورپ کی ترقی یافتہ مدنیت نے انجام دیا لیکن امن کا یہ فرشتہ یورپ سے نکل کر بلقان، طرابلس اور ایران کا دورہ کر چکا ہے اور اب خود اپنے مستقر یورپ کے تخت جلال کا پایہ پکڑ کر دنیا کو اپنا زخمی چہرہ دکھا رہا ہے

وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ	آسمان اور زمین اٹھا کر ایک ساتھ
فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْ	ٹیک دئے گئے اور وہ دفعتاً
مَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ	چور چور ہو گئے پس آج ہی کے
وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ	دن قیامت کا سب سے بڑا
وَّاهِيَةٌ ۔	دن آگیا، آسمان پھٹ پڑے

اور اُن کی چولیاں ڈھیلی ہو گئیں۔

سیاست کی زبان اگرچہ بعض حالتوں میں جنگ کے اسباب و مقاصد کو نہایت پیچ دار الفاظ میں بیان کرتی ہے لیکن استقراء تام و استقصاء جزئیات سے ان کی تعیین نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے

ابن آدم کی پہلی جنگ

قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی سب سے پہلی جنگ کو صرف بغض و حسد کے جذبات نے قائم کیا تھا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ	اور آدم کے دونوں بیٹوں کا صحیح
بِالْحَقِّ م اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا	صحیح قصہ ان لوگوں کو سنادو جبکہ

فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ
يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ
لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ
اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَئِنْۢ
بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ
مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ
لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ
رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ
تَبُوْٓءَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ
مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ
جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ
لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ
فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ
اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ
لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْاَةَ
اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ
اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ
فَاُوَارِيَ سَوْاَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ
مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ۚۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ

ان دونوں نے خدا کے لئے
قربانی کی لیکن ایک کی مقبول ہوئی اور
دوسرے کی نامقبول ہوئی۔ اس پر
دوسرے نے حسد سے بھر کر کہا۔
"میں تجھ کو قتل کر دوں گا" دوسرے
نے جواب دیا کہ یہ حسد ناحق کا ہے
اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے خدا
تو صرف پرہیزگاروں ہی کی قربانی قبول
کرتا ہے اگر تم نے میرے قتل کے
لئے ہاتھ بڑھایا۔ تو خیر مجھے قتل کر ڈالو مگر
میں تو اپنا ہاتھ تمہارے قتل کے لئے
کبھی نہ اٹھاؤں گا۔ کیونکہ میں دنیا
کے پالنے والے خدائے برحق سے
ڈرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ تم ہی پر
میرے اور تمہارے دونوں کے
گناہوں کا وبال پڑے اور تم ہی
اصحٰب النّار میں داخل ہو۔ بالآخر
اس کے دل نے اس کو اپنے بھائی
کے قتل و خون پر آمادہ کر دیا۔ اور اس

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاءِيْلَ اَنَّهٗ
مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ
اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط وَمَنْ
اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ
جَمِيْعًا ط

نے قتل کر کے اپنے سامنے ناکامیابی کا راستہ کھول دیا۔ پھر خدا نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین کریدتا تھا تاکہ اس کو اپنے بھائی کے دفن کرنے کا طریقہ بتائے اس کو دیکھ کر اس نے کہا حیف ہے۔ کہ میں اس کوّے سے بھی گیا گزرا! وہ تو اپنے ایک ہم جنس کو گاڑنے کے لئے زمین کھود رہا ہے لیکن میں انسان ہو کر اپنے بھائی کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہوں غرضیکہ وہ اپنے دل میں نادم و متاسف ہوا۔ اور اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کر دیا کہ جس شخص نے کسی کو بغیر قصاص کے یا بغیر کسی فساد کے قتل کر دیا۔ تو گویا اس نے اپنی گردن پر تمام دنیا کا خون لے لیا۔ اور جس نے کسی ایک آدمی کو قتل سے بچایا۔ تو گویا اُس نے تمام دُنیا کو زندہ کر دیا۔

اس بیان کو توراۃ سے ملانے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ وہ آدم ؑ کے بیٹے قابیل اور ہابیل تھے۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوئی کہ نیکی کی قربانی رد نہیں ہوتی اور قابیل کی قربانی قبول نہ کی گئی کہ دل کا نیک نہ تھا اور بدی کا عمل کبھی قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ دنیا کی پہلی لڑائی تھی، جس میں اولاد آدم نے شیطان سے اپنی بہیمیت سیکھی۔

لیکن وہ دونوں درحقیقت آدم کے بیٹے نہ تھے بلکہ "جنگ و صلح" کی مجسّم تصویر تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک تصویر دنیا کو جنگ و صلح کا متضاد

منظر ایک ہی وقت میں دکھا رہی تھی۔ ایک نے جذبۂ حسد سے اپنے بھائی کو قتل کر کے اس کے گناہوں بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر لے لیا۔ جذبۂ بہیمی و شیطانی کا بدترین نمونہ قائم کیا اور نوعِ انسانی کے لئے سب سے بڑی مصیبت کی بنیاد رکھی۔ کما ورد فی الحدیث:۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم۔

لاتقتل نفس الاکان علی	ہر وہ شخص جو قتل کیا جاتا ہے اس
ادم کفل منہا۔	کے خون کا ایک حصّہ آدم کے اس

بیٹے ہی کی گردن پر ہوتا ہے جس نے قتل و خونریزی کی سب سے پہلے بنیاد ڈالی تھی۔

لیکن بعد کو اس ناپاک بوجھ کے ثقل، فرطِ ندامت سے اُس کی گردن جھک جاتی ہے۔ فَأَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِينَ۔

لیکن دوسرے نے صلح کا ہاتھ بڑھایا اور خون بہانے کے لئے آمادہ نہ ہوا اُس نے کہا، تم میرے قتل پہ ہاتھ اٹھاتے ہو تو اٹھاؤ۔ مگر میں تمہارے قتل کے لئے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ آخر کار صلح و امن کی ملکوتیت پر جنگ کی بہیمیت غالب آئی اور وہ قتل کر دیا گیا۔ پھر عالم ہوا کا ایک مکروہ، بدشکل، مُردار خوار اور ذلیل پرند جو مقتولینِ جنگ کو نوچ نوچ کے کھایا کرتا ہے آتا ہے اور اپنے ہم جنس کی لاش دفن کر کے قبر کھودنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ اس پہ قاتل کی بہیمیت کو کوّے کی حیوانیت سے بھی شرم آنے لگتی ہے کہ:۔

يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْاَةَ اَخِيْ ج
فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۖۚ

اسلام اور صلح

اسلام اسی صلح ہابیلی کا آخری نتیجہ اور اسی نظامِ عدل کی آخری کڑی ہے وہ اس ابتدائے عہد البشری سے برابر بڑھتی رہی اور مختلف صورتوں اور متعدد تعلیموں میں ظاہر ہوتی رہی۔ لیکن دنیا میں ہمیشہ نیکی برائی کے بعد پھیلی ہے اور نور ہمیشہ ظلمت کے بعد جلوہ افگن ہوتا ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا ابن آدم کی اس فطرت اولیٰ پر عمل کر رہی تھی۔ عرب کی تمام لڑائیاں بغض و انتقام، رشک و حسد، منافست و مباغضت کا نتیجہ ہوتی تھیں۔ حرب داحس اور غبرا نے صرف ایک گھوڑے کے بھڑکا دینے پر عرب میں آگ لگا دی۔ حرب بسوس نے صرف ایک اونٹنی کے لئے تمام عرب میں قیامت برپا کر دی۔

مہذب سلطنتوں میں ملک گیری کے لئے جو سلسلۂ جنگ قائم ہو جاتا ہے وہ اگرچہ اپنی نمائشی خصوصیات میں غیر متمدن اقوام اور وحشیانہ لڑائیوں سے کسی قدر مختلف نظر آتا ہے لیکن درحقیقت آخری کڑی بھی اس فطرت اولیہ سے جا کر ملتی ہے۔ جس کا ظہور قابیل کی شیطنت کے اندر سے ہوا تھا۔ اور جس کی تمثیل توراۃ اور قرآن دونوں نے دی۔

اسلام دنیا میں آیا تو ان دونوں قسم کی لڑائیوں نے سطح ارض کو ایک معرکۂ جنگ بنا رکھا تھا، لیکن اس نے دفعتاً لڑائی کے حلق کی شہ رگ کاٹ دی۔

لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا	ایک دوسرے سے دل میں عداوت
وَلَا تَدَابَرُوا۔	اور کینہ نہ رکھو۔ باہمدگر حسد نہ کرو

اور نہ آپس میں باہم ایک دوسرے کی جگہ پر اُسے پیچھے ہٹا کر قبضہ کرو۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ	اور تم لوگ باہم جنگ وجدل اور
مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ	قتل وخونریزی کی وجہ سے گویا آگ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ	کے گڑھے پر کھڑے تھے۔ اور وہ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝	بھڑک رہی تھی۔ لیکن خدا نے اسلام

کی تعلیم دے کر تمہیں اس آگ سے نکال لیا۔

روم و فارس کی مہذب سلطنتیں ملک گیری کے لئے باہم دست وگریباں تھیں ۔اسلام نے ان کو مقابلے میں پکارا کہ دنیا اور دنیا کی پُر فضا زمین اس لئے نہیں بنائی گئی ہے کہ اس پر بنی نوع انسان کے خون کا سیلاب بہایا جائے ایک فریق دوسرے فریق کو نکال کر تمام روئے زمین پر خود قابض ہو جائے اور آدم کی بہت سی بے خانماں اولاد کو نوآبادیاں ڈھونڈنی پڑیں ، بلکہ دنیا کی سطح صرف اس لئے ہے کہ اس میں آدم کا ہر بچہ اپنے اپنے مرکز کو قائم رکھ کر خدا کی عبادت میں مصروف رہے ۔ اور جو خلقت عبادت الٰہی کے لئے پیدا کی گئی ہے ۔ وہ جنگ وخونریزی کے کاموں کے لئے نہیں ہو سکتی ——

———— !

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ	ہم نے جن وانس کو صرف اپنی
اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔	عبادت کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ

بغض اور لوٹ مار کے لئے وعداوت ،قتل وغارت شر وفساد۔

اس وقت جب کہ دنیا نے نظام امن کو بالکل بدل دیا تھا جب کہ ایک

سلطنت دوسری سلطنت کے ممالک مقبوضہ کو چھین رہی تھی۔ اسلام آیا اور اس ظالمانہ نظام کو بدل کر ایک نیا عادلانہ نظام قائم کیا۔ جس کا مقصد دنیا کی تمام لڑائیوں سے بالکل مختلف تھا۔

مقصدِ جنگ

دنیا کی تمام خونریز لڑائیوں کا مقصد جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، صرف بغض وانتقام کے تشنہ کام جذبات خبیثہ کی پیاس بجھانا تھا۔ انسان فرطِ غیظ و غضب میں اگرچہ جنگ کو ایک عظیم الشان مقصد خیال کرتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو غضب انسانی مقصد عظیم خیال کرتی ہے، مدنیت فاضلہ اس کو کوئی مقصد ہی نہیں قرار دیتی۔ ڈاکہ اور رہزنی کسی متمدن انسان کا مقصد نہیں ہو سکتا۔ ظلم و تعدی انسانیت کی غرض نہیں ہو سکتی۔ بغض وانتقام کے بعد انسان کے ہاتھ میں انسانیت کے لئے کیا رہ جاتا ہے؟ اگر تمدن سچا اور شائستگی واقعی شائستگی ہے، تو وہ قومی و جنسی بغض وانتقام کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔

عرب سے زیادہ اس قسم کی جنگ و خونریزی کے لئے کس نے دوڑ دھوپ کی ہوگی؟ لیکن دیکھو خدا خود کہتا ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَ	کیا ہم تمہیں سب سے زیادہ
خْسَرِيْنَ اَعْمَالًا الَّذِيْنَ	نقصان میں رہنے والوں کا پتہ
ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ	دیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں
الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ	اس دنیوی زندگانی میں بھی بے کار

أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاه گئیں۔ اگرچہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔

اس بنا پر درحقیقت اسلام سے پہلے جنگ کا پیکر خونین روح حقیقت یعنی مقصد سے بالکل خالی تھا اور دنیا کے ہاتھ میں کشت وخون کے بعد ندامت کے سوا کچھ نہیں آتا تھا۔ چنانچہ ایک جاہلی شاعر جنگ کے آخری نتائج کا ذکر ان حسرت آمیز الفاظ میں کرتا ہے۔

فآبوا بالرماح مكسرات وابنا بالسيوف قد انحنينا

وہ لوگ ٹوٹے ہوئے نیزے اور ہم کج شدہ تلواریں لے کر میدان جنگ سے واپس آئے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کی زبانوں میں جنگ کے لئے کوئی ایسا لفظ وضع نہیں کیا گیا، جو اس کے مقصد پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ جنگ کے تمام نام محض اس کے اوصاف ونتائج ہی کا بیان تھے لیکن اسلام نے جنگ کو "جہاد" کی وسیع اصطلاح کے ماتحت لاکر اس کے مقصد اور حقیقت کو اس کے نام ہی سے واضح کر دیا۔

یہی اعلیٰ مقصد ہے جس کے لئے اسلام نے ہر موقع پر جدوجہد، کوشش، سعی اور دوڑ دھوپ کی ترغیب دی ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مسلمانوں میں جو لوگ معذور نہ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي تھے با ایں ہمہ گھر میں بیٹھے رہے۔

الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ وہ ان لوگوں کا مرتبہ نہیں پا سکتے

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَ جنہوں نے اپنے اموال اور اپنی

اَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ	جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى	کیا ایسے مجاہدین کو گھر میں بیٹھ رہنے
الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا	والے مسلمانوں پر ایک خاص درجہ تک
وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ	بزرگی دی اگرچہ دونوں کے لئے
اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ	خدا نے بہتری کا وعدہ کیا مگر مجاہدین
اَجْرًا عَظِيْمًا !	کے لئے بمقابلہ غیر مجاہدین کے اجر عظیم ہے

وہ اعلیٰ مقصد کیا تھا؟

قرآن مجید نے اس کا جواب نہایت مختصر اور سادہ الفاظ میں دیا ہے۔

حَتّٰى لَا يَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ	دنیا میں فتنہ وظلم وفساد باقی نہ رہے
الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ، هُوَ الَّذِيْ	اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔
اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ	وہ خدا جس نے اپنے رسول کو نوع
دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى	بشری کی ہدایت اور دین حق کی
الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔	دعوت کے لئے بھیجا تاکہ اس کی

سچائی کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کر دے۔

لیکن انہی سادہ اور مختصر الفاظ نے عرب کی تاریخ جنگ کا ڈھانچہ بدل دیا اقوام قدیمہ کی لڑائیوں کا اصل مقصد اکثر محض قتل وغارت، سیادت ارضی، وسعت ممالک، عزت ونمود اور اظہار شجاعت ہوتا تھا۔ عرب کا بھی یہی حال تھا، جس کے اندر اسلام کی دعوت شروع ہوئی۔

وَاَيَّامُنَا مَشْهُوْرَةٌ فِيْ عَدُوِّنَا   لَهَا غُرَرٌ مَعْلُوْمَةٌ وَحُجُوْلُ

ہمارے معرکے ہمارے دشمنوں میں نہایت مشہور ہیں ان کے بیل بوٹے اور نقش و نگار اب تک اچھی طرح چمک رہے ہیں۔

ولاالاکن کل الشجاع فاننی   لبضرب الطلی والهام حق علیم

اگرچہ میں بہت بڑا بہادر نہیں ہوں تاہم سر اور گردن اڑا دینے کا خوب ماہر ہوں۔ (یہ گویا کسر نفسی ہے)

مشینا مشیة اللیث   غدا واللیث غضبان

ہم میدان جنگ میں شیر کی چال چلے۔ ایسا شیر جو صبح کے وقت شدت گرسنگی میں نہایت غضب ناک ہو کر شکار کی جستجو میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے

اس مقصد کا اظہار صرف میدان جنگ ہی میں نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ وہاں سے پلٹ کر عورتوں کو اپنی اپنی بہادری کے افسانے سنا کر اپنے کارنامہ اعمال سے مرعوب کرتے تھے۔

فانک لو رایت ولن تریه   اکف القوم تخرق بالقینا

اے معشوقہ! اگر تو دیکھتی (حالانکہ تیرا دل گروہ وہ نہ تھا کہ تو دیکھ سکتی) کہ دشمنوں کی ہتھیلیاں کیونکر نیزوں سے چھیدی جا رہی ہیں تو تجھ کو میدان قیامت کا منظر نظر آجاتا۔

کفاک النای ممن لم تریه   وحیث العواقب للبنینا

اگر تو نے مجھے اس معرکہ میں نہیں دیکھا تو یہ بہتر ہے ورنہ اپنے اور اپنی قوم کے فرزندوں کے لئے تو دعائے خیر کرتی۔

لیکن جس طرح حرب کا اصل مقصد "غارت گری" اس مقصد کے منافی نہیں تھا

بلکہ دونوں ساتھ ساتھ پورے کیئے جا سکتے تھے۔ اسی طرح اشاعت و اعلان حق اور دعوت صداقت و عدالت کے ساتھ بھی اس مقصد کو پورا کیا جا سکتا تھا عرب کی لڑائیوں کی تمام خصوصیات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے سامنے موجود تھیں۔ اور ان کا جوش ان کو اور زیادہ نمایاں کرنا چاہتا تھا۔ ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا۔

الرجل یقاتل للمغنم	آدمی کبھی لوٹ مار کے لئے لڑتا
والرجل یقاتل للذکر والرجل	ہے کبھی شہرت کے لئے، اور کبھی
یقاتل لیری مکانہ فمن	میدان میں اپنی شجاعت کے
فی سبیل اللہ؟ (بخاری)	اظہار کے لئے لیکن حضور فرمائیں

کہ ان میں سے کون شخص مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

چونکہ اسلام نے ہر عمل کا اصول اولین یہ قرار دیا ہے۔

انما الاعمال بالنیات (الحدیث) ہر عمل کا ثواب تمہاری نیتوں کی بناء پر ہے

اس لئے اگرچہ یہ مقاصد اشاعت کلمہ حق کے منافی نہ تھے۔ تاہم اسلام جس خلوص اور جس عدالت حقہ کا واعظ تھا، اس کے لحاظ سے ضرور تھا کہ اس بارے میں سب سے پہلے نیتوں ہی کو درست کرے کیونکہ انہی کا اثر خارج کے تمام اعمال پر پڑتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سائل کو جواب دیا:—

من قاتل لتکون کلمۃ اللہ	جس شخص نے اس نیت سے
ھی العلیاء فھو فی	لڑائی کی کہ خدا کا بول بالا ہو۔ اور

سبیل اللہ۔	اس کی سچائی قائم کی جائے تو صرف

اسی کا قتال خدا کی راہ میں ہے۔

حقیقت اگر حقیقت ہے، تو پردے میں نہیں رہ سکتی۔ حضرت داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہادِ اسلامی کی اس حقیقت کا اظہار کیا، تو خدا نے عملی نمونہ قائم کرکے ان کے اشتباہ کو زائل کر دیا۔ ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت بے جگری کے ساتھ لڑا۔ یہاں تک کہ میدان جنگ سے پلٹ کر تمام صحابہ نے اس کی شجاعت کی داد دی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ جہنمی ہے"۔ ایک صحابی کو اس پر سخت تعجب ہوا۔ انہوں نے اس کے تمام زمانہ جنگ کی دیکھ بھال شروع کر دی۔ حسن اتفاق سے وہ ایک موقع پر سخت زخمی ہوا۔ اور زخم کی تکلیف سے بیتاب ہو کر خودکشی کر لی (جو حرام ہے کیونکہ اسلام کی نظر میں اپنے تیئں زندہ رکھنا انسان کا اوّلین فرض دینی ہے۔) وہ صحابی دوڑے ہوئے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "بے شک! آپ اللہ کے رسول ہیں۔" آپ نے فرمایا، تم صرف ظاہری حالت دیکھ کر متاثر ہو گئے مگر خدا تو نیتوں کو دیکھتا ہے۔ اس شخص نے بڑی شجاعت سے لڑائی میں حصہ لیا لیکن چونکہ خلوص و صداقت کے ثبات سے محروم تھا، اس لئے حرام موت مر کر اپنی تمام محنت ضائع کر دی اور اسی لئے میں نے اُسے جہنمی کہا۔

ان الرجل لیعمل العمل اھل	ایک آدمی بظاہر اہل جنت کا کام
الجنۃ فیما یبدو للناس و	کرتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا
ھو من اھل النار وان الرجل	ہے۔ اور ایک آدمی بظاہر دوزخیل

ليعمل عمل اهل النار فيما — کا طریق عمل اختیار کرتا ہے لیکن
يبدو للناس وهو من اهل — وہ جنتی ہوتا ہے۔
الجنة۔ (بخاری)

اسلام کی دعوت اولیٰ کا مقصد مخلصین وقانتین کی ایک پاکباز جماعت پیدا کرنا تھا جس کو ہر گروہ، ہر جماعت، ہر زندگی، ہر حال اور ہر ایک میں ہونا چاہئے۔ فوج کی تنظیم و ترتیب میں بھی ہمیشہ یہی مقصد پیش نظر رہتا تھا۔ اس لئے اگر آب زمزم میں شراب کا ایک قطرہ بھی مل جاتا تھا، تو اسلام کے دامن خلوص پر اس سے دھبہ آجاتا تھا۔

چنانچہ ایک بار غنیمت کے لالچ سے ایک مشرک نے آپ کے ساتھ شریک جہاد ہونا چاہا۔ اس نے تین بار درخواست کی مگر آپ نے ہر مرتبہ انکار کردیا یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ صحاح میں منقول ہے۔

سلسلہ بحث یہاں تک پہنچا ہے کہ قرآن حکیم نے حرب (جنگ) کی حقیقت میں جو انقلاب پیدا کیا، اس میں سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ جنگ کے مقصد کو متعین کرنا اور اسے محض بہیمی قتل وغارت کے دائرے سے نکال کر ایک اخلاقی، اجتماعی اور مدنی مقصد کی سطح پر پہنچانا ہے۔ اسی سلسلہ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ اسلام کا اصل مقصد صلح وسلام ہے۔ لیکن صلح وسلام ہی کے قیام کے لئے اُسے تلوار پکڑنی پڑی اور خونریزی کو محو کرنے کے لئے خونریز فتنہ کا خون بہانا پڑا۔ چنانچہ اس نے صاف صاف اعلان کیا کہ لیظهره على الدين كله۔ اسلام کا قتال اس لئے ہے تاکہ صداقت الٰہی تمام ادیان باطلہ پر غالب ہو جائے۔

لیکن اصل مقصد اب تک مشتبہ اور غیر متعین ہے کہ جہاد اسلامی کا مقصد وحید
وہی ہے جس کو خود آپ نے بیان فرمایا ہے۔ لیظہرہ علی الدین کلہ
لیکن ہر ملک کا باشندہ کہہ سکتا ہے کہ تفریباً ایسا ہی مقصد ہمارے پیش نظر ہے
ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے، مصر مصریوں کے لئے، جاپان جاپانیوں
کے لئے۔ اور اس سے بڑھ کر ایک قوم کا دعوٰے ہے کہ مشرق و مغرب صرف
ہمارے لئے ہیں۔

رب المشرقین ورب المغربین

اور وہ اسی خلوص و صداقت کا مدعی ہے جس کا اظہار صحابہ نے کیا تھا (اگر چہ یہ محال
ہے) تو کیا وہ اپنے آپ کو اسلام کا حریف مقابل نہیں کہہ سکتا۔ آخر ان دونوں مقصدوں
میں کیا فرق ہے؟ اور جہاد اسلامی کے مقصد کو اس پر کیا ترجیح حاصل ہے؟

السلم فی الحرب

لیکن قرآن مجید نے دوسری آیتوں میں اس کی تفسیر کردی ہے۔ اسلام صلح و
سلام کا ایک پیغام روحانی تھا جو تمام دنیا کو پہنچایا گیا تھا۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا	نزول قرآن کی رات میں خدا کے
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ	حکم سے فرشتے اور روح ہر قسم
سَلٰمٌ ۛ	کی امن و سلام لے کر اترتے ہیں۔

وہ ایک حکیمانہ قانون تھا جو دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنا چاہتا تھا۔

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ	اس رات میں حکیمانہ قوانین کی تقسیم کی جاتی ہے۔

اس بناء پر اسلام کا غلبہ، اسلام کی حکومت، اسلام کی دعوت بعینہٖ امن و امان کا غلبہ تھا، بعینہٖ عدل و انصاف کی حکومت تھی، بعینہٖ علم و حکمت کی دعوت تھی۔ اسلام اسی مقصد کی تمام دنیا کو دعوت دینا چاہتا تھا لیکن عرب نے صلح کے ساتھ دعوت صلح کو قبول نہیں کیا۔

بملک ہستی ماردنہادہ سُلطانے   کہ مابصلح وہم او بجنگ می گیرد

اس بناء پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نشر امن، بسط عدل اور عقدۂ صلح کے لیے جہاد کرنا پڑا۔ قرآن مجید نے اس جہاد کا اجمالی مقصد یہ بتایا تھا۔ لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ لیکن دوسری آیتوں نے اس کی تفسیر و تشریح کر دی۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ	فتنہ و فساد قتل سے بڑھ کر برائی
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْ	ہے۔ دشمنوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور
هُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ	ان کو اس جگہ سے نکال دو جہاں
اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ	سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔
مِنَ الْقَتْلِ۔	کیونکہ فتنہ و خونریزی قتل سے بھی

زیادہ سخت ہے۔

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کا مقصد آتش جنگ کو بھڑکانا نہیں تھا، بلکہ اس کو بجھانا تھا۔ چنانچہ دوسری آیتوں نے اس سے بھی زیادہ توضیح کر دی۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ	اور ان کے ساتھ مقاتلہ کرو یہاں
فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط	تک کہ لڑائی قائم ہونے ہی نہ

پائے اور دین خدا کے لئے ہو جائے۔

ان آیات میں جا بجا فتنہ کا لفظ آیا ہے۔ اب اگرچہ ہر چیز کو "فتنہ و فساد" کہا جاتا ہے لیکن قدیم عربی زبان میں فتنہ کا اطلاق صرف جنگ ہی پر کیا جاتا تھا۔

لما رایت الناس ھر وا فتنة عمیاء تو قد نار ھا و تسعر

یعنی جب ہم نے دیکھا کہ لوگ اس اندھا دھند جنگ سے جس کی آگ دم بدم بھڑکائی جا رہی ہے گھبرا رہے ہیں۔

اس باب میں سب سے زیادہ واضح آیت سورہ محمدؐ کی ہے۔

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جب تم کفار سے مقابلہ کرو تو پہلے
فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤی اِذَاۤ خونریزی کرو پھر غلام بنا کر بلا
اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ معاوضہ احسان کرو۔ یا فدیہ لے
فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً کر چھوڑ دو۔

لیکن اس قتل و خونریزی کا آخری مقصد کیا تھا؟ خدا نے اس آیت میں نہایت ایجاز کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے۔

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ یہاں تک کہ صفحہ ہستی سے جنگ
اَوْزَارَهَا محو ہو جائے۔

پس جہاد اسلامی کا مقصد خون ہی کے دھبوں کو دھونا اور جنگ سے جنگ ہی کا خاتمہ کرنا تھا تاکہ تمام دنیا میدان جنگ کی آغوش صلح میں اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔

آیۂ عظیمہ سورۂ محمدؐ

سورۂ محمدؐ کی آیت قتال کا یہ ٹکڑا نہایت عظیم وجلیل ہے اور فی الحقیقت اس میں صاف صاف قرآن حکیم نے اپنے جنگ کی غایت یہ بتلادی ہے کہ وہ صرف جنگ ہی کے روکنے کے لئے کی گئی ہے کیونکہ فرمایا کہ جنگ اس وقت تک کئے جاؤ جب تک کہ جنگ ختم نہ ہو جائے۔

اس آیت میں حرب سے مراد جنس حرب ونفس جنگ ہے نہ کہ کوئی خاص جنگ جو کسی قوم اور سرزمین سے مخصوص ہو۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں خود ہی یہ بحث چھیڑی ہے اور حسب عادات جواب دیا ہے۔

هل هذا المقوله تعالیٰ
"واسئل القرية" حتى يكون
كانه قال حتى تضع امة الحرب
او فرقة الحرب اوزاها انقول
ذالك محتمل فی النظر الاوّل
لكن اذا امعنت فی المعنى
تجد بينهما فرقا، وذالك لان
المقصود من قوله "حتى تضع
الحرب اوزارها" النفس امن
الحرب بالكلية بحيث لا
يبقى فی الدنيا حزب من

قرآن میں ایک جگہ اللہ نے فرمایا
ہے کہ "گاؤں سے پوچھو"۔ لیکن
فی الحقیقت وہاں مقصود یہ ہے کہ
"گاؤں والوں سے پوچھو" اور مجازاً
سوال کی نسبت خود گاؤں کی طرف
کردی ہے۔ کیا یہ آیت بھی اسی قسم
کی آیت ہے؟ اور کیا "حتی تضع
الحرب اوزارھا" سے بھی مقصود اصل
لڑائی کے وجود کا خاتمہ نہیں ہے
بلکہ صرف کسی خاص قوم کی لڑائی کا یا
کسی محدود رقبہ زمین کے جنگ

احزاب الکفر بجارب حزبا
من احزاب الاسلام ولو قلنا
حتی تضع امۃ الحرب جاز ان
یضعوا الاسلحۃ ویترکوا الحرب
وھی باقیۃ بمادتھا. کما تقول
خصومتی انفصلت ولکن
ترکتھا فی ھذہ الایام واذا
اسندنا الوضع الی الحرب
یکون معناہ ان الحرب لم
یبق (تفسیر کبیر)

وجدال کا؟ ہاں بظاہر یہ احتمال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ مقصود الٰہی یہ نہیں ہے! ور دونوں آیتوں کے طرز بیان میں فرق ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں "تضع الحرب" فرمایا ہے۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب جنگ بکلی موقوف ہو جائے اور اہل فساد کی کوئی جماعت ایسی باقی نہ رہے جو حرب و قتال کر سکے پس اس آیت سے مقصود عام طور پر جنگ کا انسداد ہے نہ کوئی خاص جنگ اگر کوئی خاص جنگ مراد لی جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ لڑائی کا وجود اور مادہ تو دنیا میں باقی رہے۔ مگر صرف کسی ایک جماعت کی لڑائی کا خاتمہ ہو جائے لیکن اگر ہم خاتمہ جنگ کو کسی خاص جماعت وزمین کی جگہ "وجود جنگ" ہی کی طرف منسوب کر دیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اب دنیا میں جنگ کا وجود ہی باقی نہ رہا۔

چونکہ اسلام کا مقصد صرف صفحہ ہستی سے جنگ کا خاتمہ کرنا تھا اس لئے اس نے تمام دنیا کو صلح کا پیغام دیا۔ لیکن دنیا کی فطرت وعظ و نصیحت کے بجائے قوت سے زیادہ مرعوب ہوتی ہے۔ اس لئے مجبوراً اسلام کو زبان تیغ سے اس

کا اعلان کرنا پڑا۔ اور دس ہی برس کی مدّت میں تمام دنیا صلح کی آغوش میں آگئی لیکن اصل حقیقت اب تک مشتبہ ہے۔

شریفانہ صلح

جنگ و صلح توام ہیں۔ دنیا میں جنگ کے ساتھ صلح ہوتی رہتی ہے۔ اسلام کو اگر تمام دنیا پر یہ مزیت حاصل ہے کہ اس نے جنگ کا مقصد صرف صلح قرار دیا تو اس سے اصل مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ خود یہ صلح کیسی ہے؟ دنیا میں عاجزانہ و مجبورانہ صلح بھی کی جاتی ہے۔ اگر اسلام نے اسی قسم کی غیر شریفانہ صلح کی ہے تو اس سے موت بہتر ہے۔

بہت سی قوموں کو خلوص قلب صلح پر آمادہ نہیں کرتا بلکہ مصالح اور مجبوریاں ان کے درمیان صلح کرا دیتی ہیں۔ کیا اسلام کی صلح بھی اسی قسم کی ہے؟ بہت سی قومیں صلح کر لیتی ہیں لیکن خود اپنے طرز عمل سے صلح کا کوئی عملی نمونہ پیش نہیں کرتیں بلکہ ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو جنگ ہی کو اپنا کارنامہ زرّیں سمجھتے ہیں۔ صرف جماعت کی قوت ان کی رائے پر غالب آجاتی ہے، ان کو عام فوجی جماعت پر کیا فضیلت حاصل ہے؟ قرآن مجید نے ان تمام سوالات کا نہایت تفصیل کے ساتھ جواب دیا ہے۔ قرآن مجید نے صاف صاف بتایا ہے کہ اسلام کی صلح بزدلانہ نہیں بلکہ شریفانہ ہے۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا إِلَى	سُست و کمزور نہ ہو جاؤ۔ اور
السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ	دعوت صلح برابر دیتے رہو

درآنحالیکہ تم غالب و سربلند ہو۔

قرآن مجید نے مجاہدین اسلام کو ہدایت کی ہے کہ تم کو نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ پیغام صلح قبول کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُو	اگر کفار تم سے الگ ہو جائیں، اور
كُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا	جنگ نہ کریں بلکہ تمہارے سامنے
جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ	صلح کو پیش کریں۔ تو اس حالت
سَبِيْلًا ؕ	میں خدا نے تم کو ان سے جنگ
	کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے۔

قرآن مجید مجاہدین اسلام کو ترغیب دیتا ہے کہ اگر تمہارا مقصد دنیا کے سامنے صلح کو پیش کرنا ہے تو سب سے پہلے تم کو خود صلح کا عملی نمونہ بن جانا چاہیئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا	مسلمانو! تم سب کے سب پہلے
فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا	صلح کے دائرہ میں داخل ہو جاؤ
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ	اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ؕ	نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

عرب کا میدان جنگ

یہ وہی شیطان ہے جس نے سب سے پہلے انسان کو جلاوطن کروا دیا تھا جو جنگ کا آخری نتیجہ ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا	شیطان نے آدم وحوّا کو جنت سے
فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا	نکلوا دیا۔ اور ہم نے کہا۔ کہ تم سب
اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ	اب یہاں سے نکل کر زمین میں

تَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ	چلے جاؤ۔ وہی ایک خاص مدت
وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ۔	تک تمہارا ٹھکانہ اور تمہارا سازو

برگ ہے اور تم میں ہر ایک دوسرے کا دشمن ہے۔

اور یہ وہی شیطان ہے جس نے آتش سیال کے ذریعہ سے ہمارے اندر بغض و عداوت کی آگ بھڑکا دی ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ	شیطان چاہتا ہے کہ تم لوگوں کے
یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَ	درمیان شراب نوشی اور قمار بازی
الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ	کے ذریعہ عداوت ڈال دے اور
وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَ	تم کو نماز اور ذکر الٰہی سے روک
عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ	دے تو پھر کیا اب بھی تم شراب
مُّنْتَهُوْنَ۔	نوشی سے باز نہ آؤ گے۔؟

اب اس شیطان نے آسمان سے اُتر کر صحرائے عرب کو اپنا مستقر بنایا تھا کہ میدان جنگ کے لئے اس سے زیادہ وسیع قطعہ زمین اور اس سے زیادہ بہتر مقام نہیں مل سکتا تھا۔ اس لئے تمام ریگستان عرب خون کا ایک دریا بن گیا تھا جس کے اندر بغض و عداوت، کینہ و انتقام کا ایک طوفان برپا تھا لیکن دنیا میں نیر و شر نے ہمیشہ ایک ہی مطلع سے سر نکالا ہے اور نیکی نے ہمیشہ بدی کے ساتھ ظہور کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اسی فطرت ازلیہ و سنت جاریہ نے عرب ہی کو صلح کے لئے بھی انتخاب کیا۔ اس میں مختلف مذاہب کے لوگ آباد تھے یہودی، عیسائی،

مجوسی بلکہ ملاحدہ و زنادقہ تک کا فرقہ موجود تھا۔

وسائل انعقاد صلح

اسلام نے ان مختلف قوموں کو مختلف طریقوں سے پیغام صلح دیا سب سے پہلے مشرکین عرب کو ایک عظیم الشان جنگ کے خطرے سے بچنے کا وعظ سنایا۔

مثلی ومثل ما بعثنی اللّٰہ	میری اور میری شریعت کی مثال
کمثل رجل اتی قوما فقال	بعینہ اس شخص کی سی ہے جس
رایت الجیش بعینی وانی	نے آکر ایک قوم کو خبر دی کہ میں
انا النذیر العریان فالنجاء	نے خود اپنی آنکھوں سے ایک
فالنجاء۔ فاطاعتہ طائفۃ	فوج گراں کو تم پر حملہ کرنے کے
فادلجوا علی مھلھم فنجوا و	لئے آتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور
کذبتہ طائفۃ فصبحھم	میں برہنہ ہوکر تم کو اس خطرے سے
الجیش فاجتاحھم (بخاری)	ڈراتا ہوں، ہوشیار، ہوشیار! یہ

سن کر ایک گروہ نے اس کی اطاعت کی اور رات ہی رات نکل بھاگا لیکن دوسرے فرقے نے اس کا کہنا نہ مانا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر نے چھاپہ مارا اور ان کا استیصال کر دیا۔

عیسائیوں اور یہودیوں کی طرف بار بار مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ کبھی تو ان کو تمام دنیا سے افضل قرار دیا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ	ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت
الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ	نبوت اور کھانے پینے کی پاک

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	حلال اور خوشگوار چیزیں دیں۔
وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	اور اس طور پر ہم نے ان کو تمام

دنیا سے افضل واشرف بنا دیا۔

کبھی اُن کی کتاب کو دینی و دنیوی برکات کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ	اگر وہ لوگ تورات و انجیل پر
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ	عمل کرتے۔ تو سر سے پاؤں تک
مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ	برکاتِ ارضیہ و سماویہ ان کو
فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ	محیط ہو جاتیں۔

بالخصوص عیسائیوں کے ساتھ خاص طور پر رشتۂ مؤدّت کو مستحکم کیا :۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً	تمام اہلِ کتاب میں عیسائی مسلمانوں
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا	کے ساتھ سب سے زیادہ
اِنَّا نَصٰرٰى۔	قرابت واتصال رکھتے ہیں۔

اس رفق و ملاطفت اور تلطف و دلجوئی کے بعد نہایت مختصر الفاظ میں صلح کی سب سے آخری شرط پیش کی :۔

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا	اے اہلِ کتاب آؤ۔ ایسی شرط پر
وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ	باہم صلح کریں جس پر ہمارا اور تمہارا
وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا	دونوں کا اتفاق ہے یعنی صرف
يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا	ایک خدا کی عبادت کریں۔ اور کسی
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔	کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ اور ہم

میں سے کوئی کسی آدمی کو خدا نہ بنائے۔

لیکن دنیا ہمیشہ قوت کے آگے سر تسلیم خم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جو پیغام نہایت رفق و ملاطفت کے ساتھ دیا، عرب نے تیرہ برس تک اس کو نہیں سُنا۔ اس لئے مجبوراً اسلام کو تلوار کی زبان سے دنیا کو یہ پیغام سُنانا پڑا۔

صلح کا اعلان

اسلام نے اسی فطرتی اصول کی بنا پر دس برس تک معرکہ جہاد و قتال کو جاری رکھا۔ لیکن اس کے نتائج عرب کی جنگ سے بالکل مختلف تھے۔ عرب کی جنگ کا قتل و غارت گری کے سوا کوئی مقصد نہ تھا۔ لیکن اسلام جہاد کے ذریعہ اس گراں قیمت چیز کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا جس کو عرب نے نہایت ارزاں کر دیا تھا۔

انا لنرخص یوم الروع انفسنا ولو نسام بھا فی الامن اغلینا

ہم جنگ میں اپنی جانوں کو نہایت ارزاں کر دیتے ہیں حالانکہ اگر حالت امن میں اس کا بھاؤ چکایا جاتا، تو وہ بڑی بیش قیمت نکلتیں۔

اور اس گراں قیمت چیز کے تحفظ کی ضمانت میں قانونِ عدل نے ہمیشہ جان ہی کی قربانی طلب کی۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ	اے عقلمند لوگو! قصاص کوئی بری
يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ	چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس نے تمہاری
تَتَّقُوْنَ۔	زندگی کو قائم رکھا ہے۔ شاید اس

کے ذریعہ سے تم قتل و خون ریزی سے بچو!

عرب کی لڑائیاں تفرق و اختلاف پیدا کرتی تھیں لیکن غزوات اسلام نے اختلاف و اتحاد اور انضمام و اجتماع پیدا کیا۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ	اور خدا کے اس احسان کو یاد کرو۔
اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ	جب تم ایک دوسرے کے
قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ	دشمن تھے پھر خدا کے فضل نے تم
اِخْوَانًا۔	کو باہم ملا دیا اور تم بھائی بھائی ہو گئے

جب دس برس کی وسیع مدت نے اس اتحاد کو درجہ کمال تک پہنچا دیا تو وہ وقت آگیا کہ جو اجتماع میدان قتال میں نظر آتا تھا وہ ایک دار الامن میں نظر آئے۔ اس لئے جب مجموعہ اتفاق و اتحاد کے تمام بکھرے ہوئے اجزا جمع ہو گئے تو آنحضرتؐ نے اعلان عام کیا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ	اور صرف خدا کے لئے تمام ان
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط	لوگوں پر حج فرض ہے جو سفر
	کی قدرت رکھتے ہیں۔

اس اعلان نے تمام دنیا کو حرم کے مقدس میدان میں جمع کر دیا اور آج تک جو پیغام صلح زبان تیغ سے دیا جاتا تھا، وہ خود آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے تمام دنیا کو سنایا گیا۔

ان دماءکم واموالکم	ہر مسلمان کا جان و مال ہر مسلمان
علیکم حرام کحرمۃ یومکم	کے لئے قابل احترام ہے۔ بعینہ

ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم
ھذا الاان کل شئی من امر
الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع
ودما الجاھلیۃ موضوعۃ و
اول دم اضعہ دماء قادم
ابن ربیعۃ۔

اسی طرح جس طرح تم لوگ یوم الحج کو شہر حج میں اس شہر (مکّہ) میں واجب الادا سمجھتے ہو میں جاہلیّت کی تمام رسموں کو تمہارے سامنے اپنے دونوں پاؤں سے کچل دیتا ہوں۔ اور انتقام خون کی رسم کو مٹانے کے لئے پہلے اپنے بھائی ربیعہ ہی کے خون کو مسل دیتا ہوں۔

ان الفاظ نے ایک دائمی صلح کا پیغام دے کر تمام دنیا کے جان ومال کو قتل و سلب سے محفوظ کر دیا۔ لیکن ایک تمدّنی غارت گری رہ گئی تھی جس پر خدا نے اعلان جنگ کی دھمکی دی تھی، اُس کی نسبت فرمایا:۔

وربا الجاھلیۃ موضوع
واول ربا اضع ربا نار باعباس
بن عبدالمطلب فانہ موضوع
کلہ۔

اور زمانہ جاہلیّت کی سود خواری آج بالکل مٹا دی جاتی ہے اور پہلے جس سود کو میں مٹاتا ہوں وہ خود میرے چچا عباس ابن عبدالمطلب کا سود ہے۔

تمام دنیا نے اس پیغام صلح کو سُنا اور توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ اس بشارتِ عظیمہ کی تصدیق کی، جو خدا نے تمام دنیا کو وحی کے ذریعہ سے دی تھی

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

قدیم ترین محاصرے

اور

مدافعت

دنیا میں آغاز جنگ کے ساتھ ہی محاصرہ اور محصورانہ مدافعت شروع ہو گئی تھی۔ انسان نے جب پہلے پہل بادیہ نشینی کی زندگی سے ترقی کر کے شہری زندگی شروع کی ہوگی، تو مختلف قوموں، نسلوں، جماعتوں اور خاندانوں کی باہمی جنگ جوئی نے طاقت ور محاصرے کی ترغیب دی ہوگی اور مغلوب و ضعیف محصور ہو جانے پر مجبور ہو گیا ہوگا۔ سب سے زیادہ قدیم ترین محاصرہ محاصرۂ ازوت ہے، جو لبمی ٹینک اعظم کی زیر قیادت کیا گیا تھا۔ یہ محاصرہ ۲۹ برس تک جاری رہا، مگر تفصیلی حالات ممکن نہیں۔

اس کے بعد سب سے زیادہ دنیا کا قدیمی محاصرہ طروادہ ہے۔ جس کا افسانہ یونان کے مشہور سحر طراز اور ابوالشعر ہومر نے ایلیڈ میں نظم کیا ہے۔ اور گو افسانہ طرازی اور یونانی علم الاصنام کے خرافات کی آمیزش سے اس کے اصلی واقعات معلوم کرنا دشوار ہیں۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ وہ زمانہ قدیم کی ایک

بہت بڑی خونریزی اور تاریخ حرب کا ایک عظیم الشان جنگی محاصرہ تھا۔ یہ محاصرہ دس برس تک جاری رہا تھا اور اس کی نسبت جنگ و مقاتلات کے عجیب و غریب واقعات ہومر بیان کرتا ہے۔

اس ہولناک محاصرہ کے بعد قرونِ اولیٰ کے محاصروں کی تاریخ ایک حد تک تاریخی روشنی میں آجاتی ہے اور دنیا کے دو مشہور قدیم ترین محاصرے یروشلم (بیت المقدس) اور قرطاجنہ (کارتھیج) ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس وقت مختصراً انہی دو محاصروں کی طرف ہم متوجہ ہوتے ہیں۔

محاصرہ بیت المقدس

۷۰ویں عیسوی سن کا آغاز تھا کہ روم سے جنگ آزماؤں اور حملہ آوروں کا ایک سیلاب عظیم شام کی طرف امنڈا، اور شہنشاہ طیطس نے بنی اسرائیل کی ہزاروں سالہ عظمت و جبروت کے مسکن، حضرت داؤد کے عظیم الشان ہیکل اور تخت گاہ سلیمان پر فوج کشی کر دی۔ اسرائیل کے گھرانے کی یہ وہ آخری بربادی تھی جس کی یسعیا نبی نے خبر دی تھی اور نسل اسحاق کی بداعمالیوں کی وہ سب سے آخری سزا تھی جس پہ حزقیل نبی نے ماتم کیا تھا۔ اور خداوند نے کہا تھا کہ اے اسرائیل کی بدکار عورت! تو نے مجھے چھوڑ دیا۔ پس میں غیر قوموں کو بھیجوں گا، جو تیری عظمت و ناموس کو ناپاک کریں گے۔

رومی فوج کشی وہ آخری عذاب الٰہی تھا جس کے بعد جلالِ خداوندی نے ہمیشہ کے لئے اولادِ اسرائیل سے اپنا رشتہ کاٹ لیا اور سعیر کی روشنی نے فاران

کی چوٹیوں کو اپنا مطلع و مسبدہ بنا یا ——————— فَحَانَ وَعْدًا مَفْعُوْلًا (۱۷: ۲-۳)

محاصرے کا آغاز

رومی فوج نے شہر کے قریب پہنچ کر اپنا قاصد بھیجا اور باشندگانِ شہر سے کہا کہ شہر حوالہ کردیں مگر وہ بیت المقدس کے مستحکم حصار اور آہنی عمارات جنگ کی طرف سے مطمئن تھے۔ انہوں نے تسلیم شہر سے (عربی میں حوالگی کے معنوں میں "تسلیم" کہتے ہیں اور اس کو اُردو میں رائج ہونا چاہیئے) انکار کر دیا۔ اب رومی فوج کے لئے محاصرہ ناگزیر تھا۔ ۳۰ ہزار آہن پوش فوج نے چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

بیت المقدس اس وقت نہایت محفوظ تھا یکے بعد دیگرے تین نہایت مستحکم شہر پناہیں تھیں اور ان کے باہمی فاصلے مدافعت کے آلات و اسباب جنگ کے لئے نہایت مضبوط عمارتیں رکھتی تھیں۔ طیطس نے اپنی فوج کے چار حصے کر دیئے۔ تین حصے شمالی جانب پر مامور کئے جو بیرونی شہر پناہ سے ایک میل کے فاصلے پر جم گئے اور باقی ایک حصہ جانب مشرق مقرر کیا جو مشہور مسیحی مقدس پہاڑ (کوہ زیتون) کے حوالی میں تھا۔

قدیم آلاتِ جنگ

رومی فوج کے ساتھ اس زمانے کے ترقی یافتہ آلاتِ جنگ بے شمار تھے علی الخصوص طویل وزنی گرز، سنگ بار منجنیقیں، آتش فشاں پہیہ دار منارے اور قدیم زمانے کا وہ عجیب و غریب آلۂ جنگ جس کے لئے عربی میں دَبّابہ، کا لفظ مستعمل

ہو گیا تھا۔

دگرز، قدیم قوموں کا سب سے بڑا آلۂ جنگ تھا۔ جس کو رستم و سہراب کے کاندھوں پر شاہنامہ میں ہم نے ہمیشہ دیکھا ہے۔ لیکن رومیوں کے پاس ایک خاص طرح کا گرز ہوتا تھا، جس کو محاصرے میں استعمال کیا کرتے تھے۔ یہ معمولی گرز سے بہت زیادہ لمبا اور اس کے ضرب کا لٹو بہت زیادہ وزنی ہوتا تھا اور شہر پناہ کی دیواروں اور قلعہ کے دروازوں کے توڑنے میں کام آتا تھا۔

منجنیق ایک کثیرالاستعمال مشین تھی، جس کے ذریعہ بڑے بڑے وزنی پتھر غنیم کے لشکر اور محصور شہر کے اندر پھینکے جاتے تھے۔ یہ (میکانک) کے یونانی اصل کا معرب ہے اور علم الحیل (فن و صنع آلات و مشینری) کی قدیم ترین ایجاد۔ عربوں نے بھی اپنی جنگوں میں اس سے کام لیا ہے۔ یہ گویا قدیم زمانے کی توپ تھی۔ پتھر کے بڑے بڑے گولے جب اس سے نکل کر اڑتے تھے، تو ان کی ضرب دیواروں اور قلعوں پر نہایت سنگین پڑتی تھی۔

آتش فشاں منارے لکڑی کے بنائے جاتے تھے۔ اس کے نیچے پہیے لگے ہوتے تھے تاکہ گاڑی کی طرح نقل و حرکت ممکن ہو۔ اس کی کئی منزلیں ہوتی تھیں ان میں بیٹھ کر حملہ آور محصورین کی طرف تیزی سے بڑھتے تھے اور ان کے برجوں سے آتشیں روغن کو شہر کی دیواروں اور عمارتوں پر پھینکتے تھے۔

کبش اس زمانے کا بہترین ہتھیار تھا۔ کچھ آدمی گاڑی کھینچتے تھے اور کچھ حفاظت کرتے تھے۔ یہ گاڑی شہر پناہ سے بھڑا دی جاتی تھی اور اندر کی فوج محصورین کی تیر اندازی سے محفوظ رہ کر دیواروں میں نقب لگا دیتی تھی۔

عربوں نے اس کو کبش اس لئے کہا کہ اس کے سامنے کے رُخ پر ایک مینڈھے کا مصنوعی سر بنا کر لگا دیا جاتا تھا۔

شہر کی بیرونی شہر پناہ اور رومی لشکر کے شمالی حصّے کے مابین جو آباد قلعے تھے وہاں کے تمام درخت اکھڑوا ڈالے گئے تھے تاکہ فوجی نقل و حرکت میں مانع نہ ہوں۔

اطراف شہر کی سرسبزی کا یہ حال تھا کہ یہ تمام قطعات طرح طرح کے شاداب درختوں کی کثرت سے ایک جنت ارضی کا منظر معلوم ہوتے تھے اور اس کثرت سے تھے کہ صرف ان کی جڑوں کو کھودنے اور اکھاڑنے میں کامل چار دن رومی فوج نے صرف کئے۔

یہ شام کی سرزمین تھی جس کی نسبت قرآن کریم نے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا، "بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ" "ہم نے بیت المقدس کے اطراف کو اپنی برکات سے مالا مال کر دیا تھا۔

اس کے بعد فوج شمال کی جانب بڑھی اور ایک ایسے مقام پر خیمہ زن ہو گئی جہاں سے بیرونی حصار شہر کا ایک گوشہ نظر آتا تھا۔ یہاں محاصرین نے چند بُرج تعمیر کئے اور ان میں بیٹھ کر بیت المقدس پر سنگی گولے برسانا شروع کر دیئے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ

یہ وہی بیت المقدس تھا جس کو خدائے ذوالجلال نے اپنی رحمت

وبرکت کا نشیمن بنایا تھا۔ ابراہیم کے گھرانے سے جو الٰہی وعدے وفا ہوئے تھے اُن کے ایفاء کا پہلا گھر اسی میں تھا۔ بنی اسرائیل کی عظمت وجبروت کے سیلاب اس کی شہر پناہ سے نکلتے تھے اور دنیا کی بڑی بڑی عظیم الشان سرزمینوں کو مع ان کے بسنے والوں کے بہالے جاتے تھے مگر اُنہوں نے اُس پیمان وعہد کو توڑ دیا، جو مصر کی غلامی سے نجات پانے کے بعد خداوند خدائے قدوس سے سینا کے پہاڑ پر باندھا تھا۔ جب وہ طرح طرح کی بداعمالیوں اور فسق وفساد میں مبتلا ہو گئے، تو رحمت الٰہی اُن سے روٹھ گئی اور اس نے اپنی برکت کی جگہ اپنے قہر وغضب کو بھیج دیا ——————— خدا کا اس دنیا میں سب سے بڑا قہر یہ ہے کہ وہ کسی قوم سے حکومت وفرمانروائی کی عزت چھین لے اور غیر قوموں کی غلامی ومحکومی کی زنجیریں اس کے پاؤں میں ڈال دے ——————— پس یہودیوں کے لئے بھی اب دنیا میں اس سزا کے سوا کچھ نہ تھا۔ بخت نصر کی فوج کشی اور بابل کی قید کے بعد (عزیز) کی آہ وزاری نے ان کی سزا کی مہلت بڑھا دی تھی پر اُنہوں نے اس فرصت سے بھی فائدہ نہ اٹھایا۔ اس لئے ضرور تھا کہ آخری غضب الٰہی کسی جابر قوم کے استیلا وتسلط کی صورت میں ظاہر ہو۔

اور وہ جب کبھی کسی قوم سے روٹھتا ہے تو اُس کی عادت ہے کہ اپنی کسی جابر مخلوق کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ پھر وہ اس کے تخت حکومت کو الٹ دیتی ہے۔ غلامی ومحکومی کی بیڑیاں اُس کے پاؤں میں ڈال دیتی ہے اور عزت ملی اور شرف قومی کی روح اس کے اندر سے کھینچ لیتی ہے۔

رومیوں کا یہ حملہ یہودیوں کے لئے اسی سلسلہ غضب الٰہی کی آخری سزا تھی جس کے بعد بنی اسرائیل کی عظمت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا (بخت نصر) اور بابلیوں کا دور پہلا دور عذاب تھا اور یہ آخری۔ انہی دو عذابوں کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اور ہم نے بنی اسرائیل سے ان کی
فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ	کتاب توراۃ میں صاف صاف کہہ
مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا	دیا تھا۔ کہ تم ضرور زمین پر دو مرتبہ
فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا	فساد میں مبتلا ہو گے اور اپنی بدعملیوں
عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ	میں مغرور ہو کے نہایت سخت
شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ	زیادتیاں کرو گے تو اے بنی اسرائیل
وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (۱۷-۴)	کے لوگو! جب تم میں ظہور فساد

وعدوں کا پہلا وقت آیا۔ تو ہم نے تمہارے مقابلے میں (بابل کے) ان لوگوں کو بھیج دیا جو نہایت جابر اور سخت گیر تھے۔ وہ تمہاری بستیوں کے اندر پھیل گئے (اور وہ سب کچھ کیا جو اُن کو کرنا تھا۔) اور اللہ کے وعدے کو پورا ہونا تھا۔ اور وہ پُورا ہو کر رہا۔

یہ قوموں کے اعمال کے قدرتی نتائج ہیں۔ جبر، بیت المقدس پر ملائکہ الٰہی رحمت و برکت کے پھول چڑھاتے تھے، آج حملہ آوروں کے بُرجوں سے اس پر پتھروں کے گولوں کی بارش ہو رہی ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ

عروج وزوال امم کا یہ قانون الٰہی ہے اور اے کاش! آج وہ پیروان اسلام جن کو خدا نے بنی اسرائیل کی اس عظمت وجبروت کا جانشین بنایا تھا اور جو اس خلافت ارضی کے وارث ہوئے تھے جس کی اہلیت (داؤد) اور (سلیمان) کی نسل میں باقی نہیں رہی تھی۔ تاریخ کے ان نتائج قریبہ سے عبرت پکڑیں اور آنے والے وقت سے ڈریں۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ	اسی طرح اللہ گذشتہ قوموں اور
لَعَلَّكُمْ تَتَذَكَّرُوْنَ۔	ملکوں کی مثالیں بیان کرتا ہے۔

تاکہ شاید غافل قومیں عبرت پکڑیں۔

رومی پیش قدمی

یہودیوں کی حالت اس وقت نہایت افسوس ناک تھی۔ بابل کی قید اور عرصے کی غلامی نے پھر انہی سیرت ادنیٰ پر پہنچا دیا تھا جس سے دریا نیل کے کنارے حضرت موسیٰؑ نے انہیں نجات دلائی تھی۔

تاہم انہوں نے اس موقعہ پر اپنے تمام قویٰ کو جمع کیا اور پوری جاں بازی سے مدافعت کا سامان کرنے لگے۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ رومیوں کے سے آلاتِ جنگ اور اسلحہ ہلاکت ان کے پاس نہ تھے اور سنگ باری کے بُرجوں عظیم الشان کشتوں اور آتشیں روغن کی بارش کا کوئی جواب نہیں دے سکتے

تھے ـــــــــــ!

پھر ممکن تھا کہ وہ اس کا جواب دے سکتے مگر قدرت الٰہی کے بھیجے ہوئے عذاب یا اپنے اعمال بد کے قدرتی نتائج کا ان کے پاس کیا جواب تھا۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ — پس عذاب الٰہی نے انہیں جا پکڑا

هُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ — اور اپنے ظلموں کی وجہ سے اسی کے مستحق تھے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصہ کے بعد بیرونی شہر کی سرحد محاصرین نے فتح کر لی ـــ!

اب رومیوں نے زیادہ شدت اور مستعدی سے قدم آگے بڑھائے اور کوہ زیتون کی مشرقی فوج نے اپنی منجنیقوں کا رُخ مقدس ہیکل کی طرف کر دیا۔ ساتھ ہی مشتعل روغن کی بارش بھی شروع کر دی۔ یہودی اب بہت مضطرب ہوئے کیونکہ منجنیقوں کے گولے اور مشتعل روغن کی پچکاریاں ہیکل کی دیواروں تک پہنچنے لگیں۔ بعض چھاتی جنگوں میں انہیں چند منجنیقیں مل گئی تھیں۔ وہ نکالی گئیں اور محصورین کی طرف سے بھی گولہ باری کا جواب دیا جانے لگا۔ لیکن ابھی اس انتظام کو زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک اس سے بڑھ کر مصیبت کی خبر ملی یعنی لوگوں نے دیکھا کہ شمالی شہر پناہ کے اندر جا بجا سوراخ ہو گئے۔ اس خبر کے سنتے ہی محصورین کے دل بیٹھ گئے، ہمتوں نے جواب دے دیا۔ بالآخر مایوس ہو کر پیچھے ہٹ آئے اور اس شہر کی پہلی شہر پناہ پر رومی قبضہ ہو گیا۔

اب دوسری شہر پناہ کے محاصرے کے لئے بُرج تیار ہونے لگے

اس عرصہ میں رومیوں نے بارہا باشندوں سے تسلیم شہر کی درخواست کی سمجھایا کہ اس طرح اُن کی جانیں تہ تیغ ہونے سے بچ جائیں گی۔ مگر یہودی قید بابل کا تجربہ کر چکے تھے۔ انہوں نے ہر مرتبہ اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا اور بدستور محصور رہے۔

محصورین کی آخری سعی

اسلحہ کے باب میں یہودی رومیوں سے بہت کمزور تھے۔ اس لئے رُو در رُو مقابلہ ناممکن تھا۔ اس کے علاوہ ایک شہر پناہ مسخر ہو چکی تھی اور اس سے قوم کی اخلاقی حالت میں بھی فرق عظیم پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے یہودیوں نے اس کے سوا چارہ نہ دیکھا کہ کمزور مگر باتدبیر اقوام کے مشہور ہتھیار حیلہ طرازی سے کام لیا جائے۔

چنانچہ انہوں نے شہر پناہ کے اندر سے ایک عمیق سرنگ رومی لشکرگاہ تک کھودی اور اس کا نتیجہ معاً ظاہر ہو گیا یعنے زمین کے مجوف ہو جانے کی وجہ سے لشکرگاہ کے تمام بُرج دفعتہً بیٹھ گئے۔ رومیوں کو اس سے واقعی سخت نقصان پہنچا اور کئی دن کی مسلسل محنت کے بعد پھر دوبارہ بُرج تعمیر کئے گئے۔ تاہم جس سازوسامان کے ساتھ وہ آئے تھے۔ اُن پر ان نقصانات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ فوج محاصرہ کے لئے بدستور پڑی رہی۔

دوسری شہر پناہ بھی یہودیوں کو چھوڑ دینی پڑی اور رومی فوج فاتحانہ اس پر قابض ہو گئی۔ اب یہودی تیسری شہر پناہ میں محصور تھے اور یہ

آخری حفاظت کا نشین تھا کیوں کہ اس کے بعد ہوتی شہر پناہ تھی۔ اسی کے اندر ہیکل اعظم اور تمام مقامات مقدسہ تھے اور اس کے مفتوح ہو جانے کے بعد بچنا دشوار تھا۔

انہوں نے اب پھر سرنگیں کھود یں اور اس محنت و جانفشانی کے ساتھ کہ چند دنوں کے بعد ہی تمام زمین کھوکھلی کر دی اور رومی برجیاں اور عمارات محاصرہ پہلی مرتبہ سے زیادہ نقصان دہ طریقے پر منہدم ہو گئے۔ اس سے ٹیوس کا غیض و غضب اور بھڑک اٹھا اور جوش انتقام نے مجنون کر دیا۔ انہوں نے اپنی عظیم الشان منجنیقیں اور بڑے بڑے کبش لے کر آخری بلّہ بول دیا۔ وہ برابر ہلاکت و بربادی پھیلاتے ہوئے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ آخری شہر پناہ میں بھی شگاف پڑ گئے۔

خرقیل نبی کی پیشین گوئی

اس سے بھی بڑھ کر مصیبت عظمیٰ یہ تھی کہ مشتعل روغن کی بارش نے مقدس ہیکل کی دیواروں تک پہنچنا شروع کر دیا۔ بدبخت یہودیوں نے ہر چند کوشش کی، مگر اپنی ہزار سالہ عظمت کے گھر کو نہ بچا سکے۔ اصل یہ ہے کہ اب اسرائیل اور اسحٰق کا خدا بھی اُسے نہیں بچانا چاہتا تھا۔ اس کا بڑا حصہ آتش زدگی سے برباد ہو گیا اور گنبدوں اور میناروں میں سنگی گولوں سے سوراخ پڑ گئے۔ خرقیل نبی نے کہا تھا،

"میں ہیکل کے گنبدوں پر غیر قوموں کے لگائے ہوئے دھبے دیکھ رہا ہوں۔"

بالآخر اس بدبخت اور خدا کی مغضوب قوم کی آخری سزا کی تکمیل ہو گئی اور عروج و زوال امم کے قانون الٰہی کے نفاذ کو کوئی انسانی سعی روک نہ سکی۔ رومیوں کے برجوں کی گولہ باری کا اب جواب ممکن نہ تھا۔

خاتمہ

ایک دن صبح کو یہودیوں نے دیکھا کہ رومی لشکر عظیم قتل و غارت اور نہیب و سلب کے ہتھیار ہاتھوں میں لئے آخری شہر پناہ سے اندر داخل ہو رہا ہے۔

فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ط	پس وہ بستیوں اور آبادیوں میں
وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (۱۷-۵)	پھیل گئے اور اللہ کے وعدے

کو پورا ہونا تھا۔ اور پورا ہو کر رہا۔

پھر وہ سب کچھ ہوا جو اس کے بعد ہونا تھا۔ اس قتل و غارت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو کئی دن تک اس مقدس شہر میں جاری رہا ———؟ عورتوں اور بچوں تک کو خونخوار فاتحوں کی تلوار سے امان نہ تھی۔ عمارتیں جل رہی تھیں اور دیواریں زمین کے برابر ہو گئی تھیں۔ جو بچ رہے تھے وہ قیدی بنائے گئے تھے اور جو لوگ بھاگ گئے انہوں نے پھر بنی اسرائیل کے ہزار سالہ گھرانے کی نسبت کوئی اچھی خبر نہیں سنی۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا	پھر انسان کی کتنی بستیاں ہیں کہ ہم
وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى	نے انہیں ہلاک و برباد کر دیا کیونکہ
عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ ۔	وہ نافرمان تھیں اور انہوں نے

وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا	احکام الٰہی سے سرتابی کی تھی۔ پس
فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ	وہ اس طرح اُجڑ گئیں کہ ان کی بڑی
يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ	بڑی عمارتوں کی دیواریں اپنی چھتوں
بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ	پر گر پڑیں۔ ان کے لبریز کنوئیں
لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی	بیکار و معطل ہو گئے۔ اور پکی
الصُّدُوْرِ۔	اینٹوں کے عظیم الشان بنائے

ہوئے محل ویران نظر آنے لگے۔ پھر کیا دنیا کے غافل انسانوں نے زمین پر سیر و سیاحت نہیں کی ہے؟ اور گذشتہ قوموں اور ملکوں کے ان انقلابات کو نہیں دیکھا ہے؟ اگر نظر عبرت سے دیکھتے تو اُن کے پاس دل ہوتے جو انجام کار کو سمجھتے۔ اور کان ہوتے جو صدائے الٰہی کو سنتے اصل یہ ہے۔ کہ جب کسی قوم کے بُرے دن آتے ہیں تو لوگوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں۔ جو ان کے سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں۔

محاصرۂ قرطاجنہ

قرطاجنہ کی مختصر تاریخ

حضرت مسیح کے ظہور سے ۲۴ سو برس پیشتر شام کے سواحل غربی پر ایک نئی ایشیائی سلطنت کی بنیاد پڑی تھی، جو بحرابیض اور جبل لبنان کے درمیان شاداب اور خوش منظر حصے پر واقع تھی۔

کنعانی نسل کی ایک جماعت نے اس زمین کو اپنا مقر مملکت بنایا تھا وہ تاریخ میں (فینیقیا) کے نام سے مشہور ہیں۔

فینیقیوں نے تھوڑے ہی دنوں کے اندر سمندر کے قرب سے کامل فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ انہوں نے بحری جنگ کی قوت پر سب سے زیادہ توجہ کی۔ کشتیاں اور بڑے بڑے بادبانی جہاز بنائے اور بحرابیض واحمر اور بالٹک وحیط اطلانتک کے بڑے بڑے ساحلوں اور جزیروں میں اپنی نوآبادیاں قائم کرکے صنعت وتجارت اور تمدن وعلوم قدیمہ میں اس درجہ ترقی کی کہ رومۃ الکبریٰ کی حکومت عظیمہ کو ان کے عظمت واقتدار کا اعتراف کرنا پڑا۔

غالباً قدیم متمدن قوموں میں صرف فینیقی ہی ایک ایسی قوم گذری ہے، جو مثل آج کل کی متمدن قوموں کے جنگ وحکمرانی ہی کے ذریعہ نہیں بلکہ تجارت و استعمار کی قوت سے ایک بہت بڑی مملکت کی مالک ہو گئی تھی۔

ان کا دارالحکومت "صیدل" تھا جو آج بھی ولایت شام کا ایک بارونق شہر ہے۔

سنہ ۸۳۰ قبل مسیح میں (سور) کے بادشاہ نے طمعِ مال سے اپنے بہنوئی کو قتل کر دیا۔ کیونکہ اس کی نسبت مشہور تھا کہ چند قیمتی خزانے اُس نے پوشیدہ جمع کر رکھے ہیں۔ اُس کی بہن (دیدون) نے جب یہ حالت دیکھی تو مجبوراً سور سے نکل گئی اور جس قدر ذخائر طلا و جواہر لے جا سکتی تھی اپنے ساتھ لے لئے۔ ملک میں ایک خاص گروہ اس کے زیر اثر تھا، اُس نے بھی ساتھ دیا اور اس طرح ایک بڑی جماعت لے کر وہ (افریقہ) کے سواحل کا دورہ کرتی ہوئی اس حصے میں پہنچی، جو جزائر متقابلہ (کسلی) کے بالمقابل واقع ہے۔

یہ جگہ اُسے بہت پسند آئی۔ اُس نے زمین کا ایک وسیع ٹکڑا قیمت دے کر خرید لیا۔ وہاں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی اور اپنے ساتھیوں کے علاوہ اور لوگوں کو بھی صیدل اور سور سے بلا کر وہاں آباد کرانا شروع کیا۔ سنہ ۸۲۰ قبل مسیح میں اس کی تعمیر جب اتمام کو پہنچی، تو (کارتھیج) یعنی نئے شہر کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی کا معرب (قرطاجنہ) یا (قرطاجہ) ہے، جو عربوں کی زبانوں پر آکر متغیر ہو گیا ہے۔

قبل از محاصرہ :- تاریخ اجمالی

لیکن کچھ دنوں بعد جب قرطاجنہ کی شہرت پھیلی تو بادشاہ (گیربس) نے جو افریقہ کے بعض ساحلی خطوں پر قابض تھا اس پر قبضہ کر لیا اور دیدون کو مجبور کیا کہ اس کے ساتھ عقد کرلے۔ دیدون نے عقد تو کر لیا لیکن اپنے پہلے شوہر کے

سوگ میں قائم رہنے کا جو عہد کر چکی تھی، اُسے نہ توڑا اور عقد کے بعد جب گیربس نے اُس کی خواب گاہ میں آنا چاہا اور مُصر ہوا تو اُس نے اپنے کپڑوں میں آگ لگا دی۔ چند گھنٹوں کے بعد خاکستر کا ایک ڈھیر تھی۔

دیدون کے بعد ایک ملکی حکومت وہاں قائم ہو گئی۔ سمندر کا کنارا ابتدا سے انسانی آبادیوں کے لئے ایک بہترین ذریعۂ ترقی و تمدن اور مؤثر ترین محرکِ تجارت و تبادلِ اشیاء و صنائع رہا ہے۔ خوش قسمتی سے نئی آبادی کو سب سے بڑا وسیع ساحلی موقع ملا تھا۔ اس لئے تھوڑے ہی عرصے میں اُس کے تاجر اکنافِ عالم میں پھیل گئے اور مدنی اور صناعی ترقیات نے ملک کو سرسبز اور متموّل کر دیا۔

وہ اپنے ابتدائی دور ہی میں بحرابیض متوسط کی ایک سب سے بڑی بندرگاہ اور بحری ایستگاہِ مراکب[1] تسلیم کیا جاتا ہے۔

رفتہ رفتہ قرطاجنہ نے ایک بہت بڑی جمہوری دولت کی صورت اختیار کر لی۔ افریقہ کے تمام ساحلی مقامات اور جزائر اس کے زیرِ حکومت آ گئے۔ سواحل مراکش، ٹیونس، الجزائر اور موجودہ زمانے کی تاریخ مدافعتِ حرب کا

---

[1] موجودہ فارسی میں اسٹیشن کو ایستگاہ کہتے ہیں۔ یہ شاہ ناصرالدین کی ترکیب ہے مگر عام طور پر رائج ہو گئی ہے۔ مراکب یعنی جہاز۔ پس جہازوں کے بحری قیام گاہ موقت کے لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ترکیب اچھی ہو گی۔ اردو میں اس کے لئے خاص کوئی لفظ نہیں ہے۔

مشہور ترین خطہ یعنی (طرابلس الغرب) یہ تمام افریقی شہر قرطاجنہ کے زیر نگین تھے بحر ابیض کے اکثر جزیروں پر انہوں نے فوج کشیاں کیں اور بحری قوائے جنگ کے ساتھ حملہ کیا۔ مالٹا اور سارڈینیا پر ان کی فتح یابی کے واقعات طول طویل ہیں ــــــ،

رومیوں سے جنگ کا آغاز۔ جزیرہ صقلیہ (سسلی)

جزیرہ صقلیہ (سسلی) اس وقت رومانی دولت عظیمہ کے ماتحت تھا۔ حکومت قرطاجنہ اپنی بحری فتوحات کی رو میں صقلیہ کی طرف بڑھی کیوں کہ یہ قرطاجنہ سے قریب ہے اور ایک نہایت مفید تجارت اور خوش موسم جزیرہ تھا۔

اسی جارحانہ اقدام سے اہل قرطاجنہ اور رومی شہنشاہی میں جنگ و قتل کی بنیاد پڑ گئی۔ اہل قرطاجنہ کے قوائے جنگ بحری تھے۔ اس لئے شہنشاہ روم نے ایک عظیم الشان اسطول (جنگی جہازوں کا بیڑا) تیار کرایا۔ اور بحر ابیض متوسط میں قرطاجنہ کے بیڑے کو شکست دے کر اس کے چند جزیروں پر قبضہ بھی کر لیا۔

اس کے بعد روم سے ایک بڑی فوج قرطاجنہ کی طرف روانہ کی گئی۔ مگر اس مرتبہ رومیوں کو شکست ہوئی اور رومی سپہ سالار قید کر لیا گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی مکرر سہ کرر نئی فوجی جمعیتیں بھیجی گئیں اور سمندروں میں بھی کشت و خون جاری رہا۔

یہ زمانہ دولت رومانی کی قوت و عظمت کا زمانہ تھا اور اہل قرطاجنہ

اس قدر فوج وسامانِ جنگ بھی نہ رکھتے تھے، جس قدر رومۃ الکبریٰ اور اس کی نوآبادیوں میں ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے صدیوں تک رومیوں کے مقابلہ میں جنگ جاری رکھی لیکن بالآخر ۲۴۲ قبل مسیح میں انہیں شکست کے اعتراف کے ساتھ صلح کر لینی پڑی اور اقرار کرنا پڑا کہ وہ ایک سالانہ رقم بطور خراج کے ہمیشہ دولتِ رومانی کو ادا کرتے رہیں گے۔

ہنی بال ۔ قائد قرطاجنہ وبطلِ مدافعت :۔

قومی شرف وعزت ایک نہایت نازک آبگینہ ہے۔ وہ بہت جلد ٹوٹ سکتا ہے اور ہوائے محکومیت کی ذراسی کثافت بھی اس کو دھبّہ لگا دیتی ہے۔ جس قوم کی خود مختاری اور حرّیت کے شرف پر محکومی کا دھبّہ لگ گیا اور وہ اُسے نہ دھو سکی۔ تو پھر خواہ بظاہر اُس کے ہاتھ پاؤں آزاد ہوں اور اُس کے خزانے زروجواہر سے لبریز نظر آئیں لیکن دنیا کی سرزمین پر اُس کے لئے عزت نہیں ہے کیونکہ اُس کے شرف کا آبگینہ ٹوٹ گیا۔

یہ ایک عزتِ انسانیت کا سرِّ عظیم ہے جس کو دنیا کی وہ قومیں نہیں سمجھ سکتیں، جنہوں نے اپنا پُرانا خواب عزت فراموش کر دیا ہے۔ اہل قرطاجنہ نے گورومی حکومت کی شہنشاہی کا اپنے تئیں جزو نہیں قرار دیا تھا۔ انہوں نے ہر مرتبہ استقلال واستقامت سے مقابلہ کیا۔ صدیوں تک جان فروشی اور بے جگری سے بڑی اور بحری جنگ جاری رکھی اور شکستیں کھائیں تو اپنے سے قوی تر دشمن کو بارہا شکستیں بھی دیں۔ تاہم بالآخر رومی

حکومت کے اقتدار کا انہیں خراج دے کر اعتراف کرنا پڑا۔ یہ گورومیوں کی غلامی اور محکومی نہ تھی وہ اپنی حکومت اور ملک میں پورے خود مختار تھے لیکن پھر بھی قومی آزادی کے شرف کے آلودہ ہونے کے لئے غیروں کا اتنا تسلط بھی بہت تھا۔ ملکی شرف اور غیروں کا اقتدار ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتے۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ ہمارے شرف وعزت کو بٹہ لگ چکا ہے، گو ہمارے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ہیں۔

مگر افسوس کہ آج دنیا میں وہ قومیں بھی بستی ہیں جن کے پاؤں میں غیروں کی غلامی کی بوجھل بیڑیاں پڑی ہیں اور اُن کی اطاعت اور تعبد کی ذلت کا طوق گلے میں ہے۔ لیکن ان کا حسِ ملی مرچکا ہے اور قومی شرف واحترام کے جذبے سے محروم ہو گئی ہیں۔ پھر وہ اپنی حالت پر قانع ہیں حالانکہ اُن کا خُدا پسند نہیں کرتا کہ وہ اُس کے بخشے ہوئے فطری حق عزت کو بھُول کر غلامی کی ذلت پر قناعت کر لیں۔ کیونکہ انسانوں کو صرف اپنی غلامی کے لئے بنایا ہے انسانوں کی غلامی کے لئے نہیں۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا	فرض کرو کہ ایک غلام ہے جو خود
مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ	اپنے دماغ اور مرضی کا مالک نہیں
وَّمَنْ رَّزَقْنٰہُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا	بلکہ دوسروں کی ملک ہے اور کسی
فَھُوَ یُنْفِقُ مِنْہُ سِرًّا وَّجَھْرًا ط	بات کا اختیار نہیں رکھتا اس کے
ھَلْ یَسْتَوٗنَ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ط	مقابلے میں ایک دوسرا شخص ہے
بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ٥	جو بالکل خود مختار اور اپنا آپ مالک

ہے۔ اور ہم نے اس کو طرح طرح کی نعمتیں بخش دی ہیں جن کو وہ ظاہر اور پوشیدہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ پھر بتلاؤ کیا وہ دونوں شخص اپنی حالت کے لحاظ سے برابر ہو سکتے ہیں۔؟ کبھی نہیں۔ لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ ہیں جو اس فرق کو نہیں سمجھتے۔

اہل قرطاجنہ پر ایک قرن اسی حالت میں گزر گیا۔ وہ رومی تسلط سے سخت متنفر تھے لیکن چھ سو برس کی مسلسل جنگ و قتال کے بعد اب ہمتیں پست ہو گئی تھیں اور رومی قوت و جبروت کے مقابلے کی اپنے اندر طاقت نہیں پاتے تھے تا آنکہ ۲۳۰ قبل مسیح میں عصر قدیم کے مشہور ترین قومی مدافع اور تاریخ حرب کے بطل عظیم یعنی ہنی بال، کا قرطاجنہ میں ظہور ہوا۔

رومی حکومت اپنے زمانہ عروج میں عظمت و جبروت، ہیبت و اجلال اور جبر و تسلط میں موجودہ دول عظیمہ فرنگ سے بالکل مشابہ تھی۔ اس کی نو آبادیاں دریاؤں اور خشکیوں میں پھیل گئی تھیں۔ بڑی بڑی عظیم الشان قوموں اور تمدنوں کو اس نے اپنی محکومی اور غلامی پر مجبور کر دیا تھا۔ اور جبر و قتل و سلب ظلم و عصیان اور ہلاکت و بربادی کے سوا محکوموں کو اس سے اور کچھ نہیں ملتا تھا۔ لیکن ان کے تمام دور حیات حکومت میں شاید کسی قوم اور کسی فرد نے اس عزم و ثبات اور شجاعت و بسالت کے ساتھ اپنے ملک و قوم کی مدافعت نہ کی ہوگی جیسی اعصار سالفہ کے اس عظیم الشان نامور (ہنی بال) کی فطرت حربیہ سے ظہور میں آئی۔

رومیوں کی خصوصیت نہیں۔ سچ یہ ہے کہ اہل قرطاجنہ کی تاریخ دفاع

تمام تاریخ حرب عالم میں اپنی موثر خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز ہے۔

رومی ہزیمت

(ہنی بال) کے تفصیلی حالات کا یہ موقع نہیں ہے۔ اُس نے اپنے ملک کو رومیوں کی غلامی سے نجات دلانی چاہی اور اہل قرطاجنہ کی قومی و وطنی زندگی کی افسردہ آگ کو مشتعل کر دیا۔ رومی اپنی حکومت و عظمت کے گھمنڈ سے مغرور تھے اور اپنے اختلافات و نزاعات میں بے خبر پڑے تھے کہ قرطاجنہ سے ایک لشکر جرار (ہنی بال) کی ریاست میں نکلا اور فتح و نصرت کے ایک سیلاب کی طرح چاروں طرف پھیل گیا۔ رومیوں نے بڑی بڑی عظیم الشان فوجی قوتیں ہر طرف سے روانہ کیں لیکن کوئی قوت اس سیلاب رواں کو روک نہ سکی۔ اہل قرطاجنہ شہروں کو فتح کرتے ہوئے یورپ کی سرحد کو عبور کر گئے۔ یہاں تک کہ وہ ہاتے الپ تک پہنچ گئے اور اس عزم و مستعدی کے ساتھ روم کا محاصرہ کر لیا کہ قریب تھا کہ اس کو فتح کر لیں۔

یہ محاصرہ ۲۱۸ قبل مسیح کا ایک عظیم الشان واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ اس سے دوسرے ہی سال رومیوں سے متعدد عظیم الشان معرکے ہوئے اور ہر معرکے میں سخت برباد کن شکستیں دیں۔ علی الخصوص واقعہ میدان (کنان) جس میں ستر ہزار رومی قرطاجیوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے اور تمام روم میں اس شکست نے ایک تہلکہ مچا دیا۔ لوگ (ہنی بال) کے نام سے لرزتے تھے اور اس کے حملے کے تصور سے کانپ اٹھتے تھے۔

شکست بعد از فتح

یہ ایک بہت بڑی مہلت تھی، جو قدرتِ الٰہی نے اہل قرطاجنہ کو دی تھی تاکہ وہ غیروں کی غلامی سے اپنے تئیں آزاد کریں اور وہ ہر قوم کو اپنی توفیق بخشی سے سنبھلنے اور زندہ رہنے کی ہمیشہ مہلت دیتی ہے لیکن جیسا کہ تاریخ کا ہزارہا سالہ تجربہ بتلاتا ہے، انہوں نے اس مہلت کی قدر نہ کی اور دہنی بال، کی کامیابیوں اور عظیم الشان فتح یابیوں نے اہل قرطاجنہ کو مغرور بنا دیا۔ وہ آخری فتح کے نشۂ تہوّر کے متحمل نہ ہو سکے اور اپنی طاقت اور دشمن کے ضعف کے یقین نے ان کو بے پروا اور سرشار کر دیا۔

قوموں کے عروج و اقبال کا یہ دور ہمیشہ دنیا میں یکساں رہا ہے اور یکساں ہی نتائج اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ مدتوں کی غفلت اور عطالت کے بعد جوش اور مستعدی کی روح پیدا ہوتی ہے اور تھوڑے ہی عرصے کے اندر ان کو زمین پر ممتاز بنا دیتی ہے لیکن پھر کامیابی کا گھمنڈ، فتح یابیوں کا غرور اور عزت و شوکت کی بے فکری کے جراثیم مہلکہ ان میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ دشمنوں کو حقیر سمجھ لیتے ہیں۔ اپنی قوت و طاقت پر اعتماد کر لیتے ہیں۔ جوش و مستعدی کی جگہ قناعت اور عطالت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر محنت و جانفشانی کی جگہ عیش و نشاط اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ حالت زوال کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ مگر پھر بھی قدرت الٰہی تنبّہ اور اعتبار کی فرصتیں دیتی ہے اور بیداری کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ خوش بخت قومیں اس سے عبرت پکڑ کے سنبھل جاتی ہیں، پر بدبختوں کے لئے تباہی و ہلاکت کے سوا

کچھ نہیں ہوتا۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ	اور جب ہم کو کسی آبادی کا ہلاک کرنا
قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا	مقصود ہوتا ہے۔ تو ہم اس کے خوش
فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا	حال لوگوں کو اپنا حکم بھیجتے ہیں۔ پر وہ
الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا	نہیں مانتے اور نافرمانیوں میں مبتلا

ہو جاتے ہیں۔ جب ایسا ہوتا ہے۔ تو پھر ان پر ہماری حجت تمام ہو جاتی ہے۔ وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اور ہم اس آبادی کو بربادیوں سے ہلاک کر دیتے ہیں۔

یہی حال اہل قرطاجنہ کا ہوا۔ اپنی فتح یابیوں پر مغرور ہو کر عیش و عطالت میں ڈوب گئے۔ اُدھر شکستوں اور بربادیوں نے رومیوں کی آنکھیں کھول دیں انہوں نے دیکھا کہ یہ سب کچھ نتیجہ دشمن کی متحدہ قوت اور ہماری نا اتفاقی اور بے قدری کا ہے اور اگر اسی وقت اس کا علاج نہ ہوا، تو عجب نہیں کہ دشمن کا دوسرا محاصرہ دار الحکومت کی دیواروں کو منہدم کر دے۔ پس وہ عین اس وقت جب کہ ان کی ناکامیوں نے کامیاب قرطاجیوں کو مغرور بے پروا بنا دیا تھا اپنی ناکامیوں سے متنبہ ہو گئے اور انسانوں کی کامیابی و ناکامی کی تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ کامیابوں کو کامیابی نے ناکام بنا دیا ہے اور ناکاموں کو ان کی ناکامی نے کامیاب کر دیا ہے۔

رومیوں نے اپنے قویٰ کو مجتمع کیا اور تمام باہمی شقاق و نزاع بھُلا کر دشمن سے انتقام لینے کے لئے مستعد ہو گئے۔ اب ہنی بال، کی عظمت

کے آفتاب کو گہن لگنا شروع ہو گیا تھا۔ اس کی فوج کی ہمت اور مستعدی کی حرارت افسردہ ہو گئی تھی۔ رومیوں کی فوج ہر طرف سے نکل نکل کر بڑھتی اور بہیم شکستیں دے کر اپنی چھٹی ہوئی زمینیں واپس لے لیتی۔ یہاں تک کہ تمام یورپین اور افریقی علاقوں پر اُس کا قبضہ ہو گیا۔ اور دہنی بال، کو مجبور ہو کر فرار کرنا پڑا۔

دہنی بال، اپنی جماعت کی طرف سے مایوس ہو گیا تھا۔ اب اُس نے کوشش کی کہ رومیوں کی بعض دوسری مخالف طاقتوں سے مل کر مدد لے اور اپنی کھوئی ہوئی کامیابی کو ڈھونڈے مگر اس میں بھی کامیابی نہیں ہوئی جب اُس نے دیکھا کہ رومی ہر طرف کامیاب ہو گئے ہیں اور اُس کی تمام محنت رائگاں جا چکی ہے اور اُس کی قوم پھر اسی غلامی میں مبتلا اور ذلت و نامرادی سے دوچار ہے، تو اُس کی امید نے بھی جواب دے دیا اور مایوس و متالم ہو کر بالآخر خودکشی کر لی۔

شمع سحر

اب پھر بدقسمت قرطاجنہ رومیوں کا حلقہ بگوش تھا۔ ایک زمانۂ مدید اسی حالت میں گزر گیا۔

دہنی بال، کی جانفروشیوں کا افسانہ ابھی پرانا نہیں ہوا تھا اور حفظ وطن، کے ولولے بالکل مر نہیں گئے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد وطنی حلقوں میں پھر سرگوشیاں شروع ہو گئیں اور آہستہ آہستہ اُنہوں نے اپنی فوجی حالت کی درستگی اور فوجی عمارت کی اصلاحات پر توجہ کی۔

رومی اب پہلے کی طرح بے خبر نہ تھے ۔ یہ حالت دیکھ کر معاً ہوشیار ہو گئے ۔ انہوں نے دیکھا کہ اب اگر تھوڑی سی مہلت بھی اہل قرطاجنہ کو دے دی گئی ، تو ممکن ہے کہ پھر آزادی کی کوئی تحریک گراں پیدا ہو جائے ۔

ہم اہل قرطاجنہ کے جس قومی دفاع کا آج ذکر کرنا چاہتے ہیں اس کا افسانہ اسی زمانہ سے شروع ہوتا ہے ۔

آخری مدافعت

رومیوں کا ایک ہزار لشکر جنگ کے انتہائی احکام لے کر نکلا اور اہل قرطاجنہ شہر میں قلعہ بند ہو گئے ۔ رومیوں کو ان کی موجودہ حالت اور ناگہانی حملے کی وجہ سے بے بسی کا حال معلوم تھا ۔ انہوں نے پہنچتے ہی حکم دیا کہ بلا کسی پس وپیش کے شہر حوالے کر دیں ۔ محصورین اگر اس کی تعمیل نہ کرتے تو اور کیا کرتے پس جب رومی سپہ سالار اپنی پوری فوجی جمعیت کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا ، تو اس نے ہتھیاروں کا بھی مطالبہ کیا اور تمام شہر میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں بچا جس کے پاس کسی طرح کا بھی کوئی اسلحہ باقی رہا ہو ۔ بدبخت قرطاجنیوں نے کہ اپنی قسمت کے فیصلے سے بے خبر تھے سمجھا کہ اس کے بعد انہیں نجات مل جائے گی لیکن ان کے تحیر و تعجب ، دہشت و خوف اور حزن و ملال کی کوئی انتہا نہ تھی ۔ جب اس کے بعد رومانی سپہ سالار نے اپنا یہ آخری حکم سنایا ،

"میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہاری قسمت کا آخری فیصلہ تم کو سناؤں ۔ رومانی مجلس شیوخ (سینیٹ) نے تمہاری نسبت یہ

فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنا موجودہ شہر قرطاجنہ چھوڑ دو اور ایک دوسری جگہ جا کر آباد ہو جس کے چاروں طرف کوئی سنگی حصار نہ ہو، جو بالکل کھلی اور بے پناہ ہو۔ جس میں قلعے اور دفاع کی عمارتیں نہ بنائی جائیں اور جو محض تمہاری سکونت کے گھروں کی ایک بستی ہو کیونکہ قرطاجنہ اور اس کی تمام عمارتیں مسمار کر دی جائیں گی۔"

یہ ایک غم و اندوہ کی بجلی تھی جو یکایک قرطاجیوں پر گری۔ شدّتِ غم و حسرت نے ہوش و حواس کھو دیئے اور عالمِ حیرت نے سکتے کی حالت طاری کر دی۔ ہر طرف ماتم بپا ہو گیا اور ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر رونے لگے۔ لوگ راستوں اور سڑکوں پر دیوانہ وار پھرتے تھے اور نہیں سمجھتے تھے کہ کیا کریں؟

آخر میں جب ان کو قطعی مایوسی ہو گئی اور یقین ہو گیا کہ ایسا ہی ہو گا اور اُن کا ہزار سالہ وطن ہمیشہ کے لئے اُن سے چھوٹ جائے گا، تو اُنہوں نے اپنے گالوں پر طمانچے مارے۔ گریبان چاک کر دیئے۔ زمین پر لوٹنے لگے اور دیوتاؤں پر لعنت بھیجی۔ پھر اپنے مندروں میں گئے اور اپنے خاموش اور غیر متحرک معبودوں سے قرطاجنہ کے حفظ و سلامتی کے لئے دعائیں مانگیں۔

غموم و ہموم کا نزول جس طرح ہمت سوز اور یاس انگیز ہوتا ہے اسی طرح کبھی کبھی عزم و شجاعت کے مردہ ولولوں کو زندہ بھی کر دیتا ہے۔ اور مبارک ہے وہ قوم جو نزولِ مصائب پر مایوسی و عطالت کی جگہ ہمت و عزم سے کام لیتی ہے۔

اہلِ قرطاجنہ کے لئے اب انتہا درجہ کی مایوسی تھی۔ شہر حوالے کر چکے تھے۔ ہتھیار دے چکے تھے۔ لڑنے کی طاقت نہ تھی اور خونخوار فاتحوں کے پاس محکوموں کی فریادوں کے لئے باب سماعت مسدود تھا۔ لیکن اسی مایوسی نے ان کے اندر عزم و ہمت کی ایک مرتبہ آخری حرارت پیدا کر دی اور انہوں نے سوچا کہ وطنِ محبوب کی بربادی سے پہلے کیوں نہ اپنی قسمت کی آخری آزمائش کر کے خود بھی برباد ہو جائیں۔

وہ اپنے سب سے بڑے معبد میں جمع ہوئے اور سب نے مقدس قسمیں کھا کر عہد کیا کہ خواہ کچھ ہی ہو لیکن جب تک آخری قطرۂ خون ہمارے جسموں میں باقی ہے۔ ہم اپنے ہزار سالہ ملک کو مسمار نہ ہونے دیں گے اور مر بھی گئے تو اس عالم میں کہ ہماری مضطرب لاشیں قرطاجنہ کی دیواروں کے نیچے ہی تڑپ رہی ہوں گی۔

دفاعِ اُمم کی ایک عظیم ترین مثال

رومانی سپہ سالار حکم دے کر اپنے نئے انتظامات کے لئے اٹیکا چلا گیا تھا۔ اس لئے اہلِ قرطاجنہ کو ایک فرصت آخریں حاصل تھی۔

اس امر کی مثال کے لئے کہ ایک قوم اگر اپنی ملّت و وطن کی حفاظت کے لئے مستعد ہو جائے۔ اگر اپنی غلامی کی حالت کا اس کو سچا احساس ہو۔ اگر وہ محکومی کے عیش پر حریت کی پُرمحن زندگی کو ترجیح دے تو پھر دنیا میں کوئی مشکل نہیں، جو اس کی راہ جہاد میں حائل ہو سکے اور کوئی کام نہیں، جو اس کے لئے ناممکن ہو۔ فی الحقیقت اہلِ قرطاجنہ کی تاریخ ایک سرچشمۂ عبرت و بصیرت

ہے۔ ایک جابر اور فاتح قوم اپنے محکوموں سے ہتھیار چھین سکتی ہے، پر یہ طاقت تو کسی میں نہیں ہے کہ وہ قوموں سے اُن کے دلوں کو بھی چھین لے۔ اور پھر قومی زندگی تیز اور چمکیلے ہتھیاروں ہی کے دم سے نہیں ہے۔ اصلی شئے تو دل کی زندگی ہے۔

اہل قرطاجنہ جب آخری دفاع وطن کے لئے مستعد ہوئے، تو اُن کی کیا حالت تھی؟ ہتھیار جو جنگ کی پہلی شرط ہے اُن سے چھینے جا چکے تھے قلعے مسمار ہو چکے تھے۔ اور اسباب جنگ اور قوائے مادیہ دفاع میں سے کوئی قوت بھی انہیں حاصل نہ تھی۔ تاہم اُن کے پاس صرف ایک ہی چیز یعنے جوش جہاد کا ناقابل تسخیر اسلحہ ضرور تھا۔ پس وہ اسے لے کر مستعد ہو گئے اور اگر ایک قوم مرنے کے لئے مستعد ہو جائے تو پھر دنیا کی کون سی قوت ہے جو اُسے روک سکتی ہے۔

دنیا میں آدم کی اولاد کو سب سے بڑی تکلیف جو دی جا سکتی ہے موت ہے۔ اس کے بعد انسانی جبر و تعدی کا اسلحہ بیکار ہو جاتا ہے پس اگر ایک قوم خود ہی تلخی حیات کے اس آخری جُرعہ کو پینے کے لئے تیار ہو جائے تو پھر دنیا میں کوئی شئے اس کے لئے ناممکن نہیں۔ وہ سب کچھ کر سکتی ہے جو کچھ کہ دنیا میں حیاتِ انسانی سے ممکن ہے۔

غم و اندوہ صرف اس لئے ہے کہ مصیبت کی حس سے سعی و استعداد کی قوت پیدا ہو۔ ورنہ آنسو بہا کر تو کسی سپاہی نے میدانِ جنگ فتح نہیں کیا۔

اہلِ قرطاجنہ نے رونا دھونا موقوف کیا اور شہر کے حصار و تحصین کی تدبیرات میں مصروف ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنے بڑے بڑے ہیکلوں اور مندروں کو جن کی دیواریں قلعوں کی طرح محکم اور جن کے احاطے فوجی میدانوں کی طرح وسیع تھے، بجائے قلعہ اور حصار کے استعمال کیا۔ شہر کی تمام عمارتیں اپنے ہاتھ سے منہدم کر دیں تاکہ غیروں کے ہتھیاروں کی لعنت سے ناپاک نہ ہوں اور ان میں جس قدر مختلف اقسام کی معدنیات مثل لوہے اور تانبے وغیرہ کے استعمال کی گئی تھیں، وہ سب نکال کر گلا دیں۔ نیز ان کی کڑیاں اور تختے بھی بکثرت جمع ہو گئے۔

تمام اہلِ شہر نے اپنے ہر قسم کے اشغالِ حیات معطل کر دیئے۔ عورت مرد، بوڑھے، بچے، سب لوگ رات دن لگاتار کام کرنے میں مصروف ہو گئے عمارتوں میں سے نکالی ہوئی معدنیات کو گلا کر اس میں سے ہر قسم کے ہتھیار تیار کرتے اور لکڑی سے تلواروں کے قبضے اور نیزوں کے دستے بناتے۔ تمام عورتوں نے اپنے سر کے وہ حسین بال جن کی حسن و رعنائی جنسِ اناث کا بہترین سرمایۂ جمال ہے، جمالِ حرّیت و شرفِ وطن پر قربان کر دیئے اور ان کو کاٹ کاٹ کر دے دیا تاکہ اُن کی ڈوریوں کو بٹ کر ڈوریوں کی جگہ منجنیقوں کی رسیاں اور کمانوں کے چلّے بنائے جائیں اور اُن سے اُڑ کر نکلنے والے تیروں سے دشمنانِ ملّت اور اعدائے وطن کے سینے زخمی ہوں۔

چند دنوں کی شبانہ روز محنت میں انہوں نے اپنے تمام انتظامات مکمل کر لئے۔ ہر طرح کے ہتھیاروں سے اُن کا ذخیرۂ جنگ لبریز ہو گیا۔ اور

ایک باشندہ بھی قرطاجنہ میں ایسا باقی نہ رہا جو نہتا ہو اور کوئی مفید آلہ جنگ اس کے پاس نہ ہو۔

رومیوں کی یلغار

رومی اتھیکا میں تھے۔ انہوں نے ان تیاریوں کا حال سنا تو ہنسے اور یلغار کرتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ اُن کا خیال تھا کہ پچھلے حملے میں باوجود سامانِ جنگ اور اسلحہ و آلات کی موجودگی کے، بغیر مقابلہ قرطاجیوں نے شہر حوالے کر دیا تھا، تو اب بے دست و پائی کی حالت میں کیا مقاومت کریں گے، لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ :-

دلوں کی اقلیم میں منٹوں اور لمحوں کے اندر انقلاب ہو جاتا ہے
اور اسی انقلاب سے دنیا کے انقلابات وابستہ ہیں۔

رومی اپنے زعمِ باطل کے نشے میں سرشار چلے آتے تھے لیکن جب شہر کے قریب پہنچے تو اُن کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے دہشت و تحیّر کے عالم میں دیکھا کہ جس قرطاجنہ کو چند ہفتے پیشتر چھوڑ گئے تھے، جنون کی سی مخفی اور جادوگروں کی سی ساحرانہ طاقت سے وہ بالکل بدل گیا ہے۔ اب قرطاجنہ ایک بے پناہ اور بے ہتھیار آبادی نہیں ہے جیسی کہ بہ جبر و ظلم بنا دی گئی تھی، بلکہ ایک محکم و ناقابلِ تسخیر قلعہ بند حصار ہے جو نو تعمیر بُرجوں، اُن پر جا بجا رکھی ہوئی منجنیقوں اور کمانیں چڑھائے ہوئے مسلح مدافعین کی صفوں سے مستعد پیکار و دفاع ہے۔

اہلِ قرطاجنہ کے پاس جنوں اور ساحروں کی کوئی مخفی طاقت تو نہ تھی، پر

حریت پرستی اور جوشِ وطنی وہ ملی کا ایک مقدس فرشتہ ضرور تھا اور اسی کی طاقت کے آگے جنوں اور ساحروں کی مزعومہ قوتیں بھی ہیچ ہیں۔

مجبور ہو کر رومیوں نے محاصرہ کر لیا اور اپنی فوج چاروں طرف پھیلا دی۔ ان کے آلاتِ جنگ نہایت خوفناک تھے اور فوج کی مقدار بھی بیشمار لیکن بایں ہمہ اُن کی کوئی کوشش محصورین کی جان فروشیوں کے آگے نہیں چلتی تھی اور جب کبھی ہجوم کر کے آگے بڑھتے تھے معًا بربادی و ہلاکت کے ساتھ پسپا کر دیئے جاتے تھے۔

یہاں تک کہ محاصرے نے بہت طول کھینچا۔ کامل دو برس گزر گئے لیکن محصورین کا عزم و ثبات ایک کوہِ عظیم تھا جس سے رومی طاقت ٹکراتی تھی اور فنا ہو جاتی تھی۔

محاصرہ کا تیسرا سال اور خاتمہ

جمہوریتِ روم کامل دو سال کے محاصرے سے عاجز آ گئی تیسرے سال کا آغاز ہوا۔ تو قدیمی سپہ سالار کی جگہ طامسطیوس نامی ایک شجاع و باسل رومی افسر کو مقرر کیا گیا جس کی جنگی قابلیت اس وقت تمام روم میں مسلّم تھی۔

طامسطیوس نے آ کر دیکھا کہ اہلِ قرطاجنہ کے جنگی دقائع کے آگے تمام فوجی قوتیں بے کار گئی ہیں۔ اور اگر محض جنگی قوت پر اکتفا کر لیا گیا، تو برسوں بے کار جائیں گے۔ اس لیئے اُس نے سب سے پہلے اس کی کوشش کی کہ کسی طرح باہر سے رسد کے پہنچنے کے راستے بند کر دیئے جائیں تا کہ محصورین فاقے کے خوف سے خود بخود شہر کھول دیں۔

اہلِ قرطاجنہ کے لئے دونوں راستے کھلے تھے خشکی کا بھی اور سمندر کا بھی۔ طاسلیوس نے پہلے راستے کو یوں بند کر دیا کہ ایک مرتبہ ہی تمام فوجی قوتوں کو مجتمع کر کے شہر پناہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا اور اس قدر قریب پہنچ کر کہ ایک تیر کے فاصلے سے زیادہ مسافت نہیں رہی تھی، فوج کو چاروں طرف پھیلا دیا۔ خشکی کی راہ سے جس قدر نقل و حرکت اور آمد و رفت ہوتی تھی، اب وہ سب دشمنوں کی زد پر آگئی تھی اور ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر شہر میں داخل ہونا ممکن نہ تھا۔

اہلِ قرطاجنہ کی ایک سخت غلطی

بحری راستے کی بندش کے لئے اس نے ساحل پر ایک عظیم الشان بندرگاہ تعمیر کرانا شروع کر دیا تاکہ وہاں بحری قوت ہر وقت موجود رہے اور جو کشتیاں اور جہازوں پر محصورین کو رسد کی امداد بھیجی جاتی ہے ان کو راہ ہی میں برباد کر دیا جائے۔

اہلِ قرطاجنہ کو اس کی خبر ہوئی مگر بعد از وقت۔ اگر ابتدا ہی میں انہوں نے اپنی کشتیاں بھیج کر دریا کی طرف سے حملہ شروع کر دیا ہوتا تو رومی کسی طرح بندرگاہ کی تعمیر میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کی بحری قابلیت جنگ اہلِ قرطاجنہ کی ہزار سالہ بحری زندگی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن انہوں نے بری راہ کے بند ہو جانے کے بعد سمندر کی راہ پر اعتماد کر لیا اور اس کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے۔ بعد کو جب تنبہ ہوا، تو وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ انہوں نے چند کشتیاں حملے کے لئے بھیجیں لیکن وہ کچھ نقصان نہ پہنچا

سکیں اور رومیوں نے بندرگاہ تیار کر کے بحری راہ بھی بند کر دی۔

عبرت و بصیرت

غور کرو ۔۔۔! ایک بے دست و پا اور مظلوم و محصور جماعت جس کے قلعے مسمار کئے جا چکے تھے۔ جس سے ہتھیار چھین لئے گئے تھے جس کو تمام قوائے جنگ، و دفاع سے پر نوچے ہوئے کبوتر کی طرح محروم کر دیا گیا تھا۔ اور جس کے موجودہ مادی قوی کی کل کائنات اتنی تھی کہ چند عمارتوں کے لوہے سے بنائے ہوئے ہتھیار تھے یا عورتوں کے بالوں سے بٹ کر تیار کئے ہوئے کمانوں کے چلّے۔ مگر وہ دنیا کی ایک عظیم الشان متمدّن قوم اور رومیوں جیسی فاتح و مہیب فوج کو تین سال تک ایک انچ آگے بڑھنے نہیں دیتی اور پھر اس کو مغلوب کرنے کے لئے ایک سال کا زمانہ صرف کر کے اور پہاڑوں کی چٹانیں کاٹ کاٹ کر عظیم الشان عمارتیں اور بندرگاہ تعمیر کئے جاتے ہیں ؎

ہے ایک خلق کا خوں اشکِ خونفشاں پہ مرے
سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی

جب کبھی انسانوں کے دل اپنی قوم اور اپنے وطن کی عزّت کے لئے باہم مل جاتے ہیں اور اپنے اندر سچّا جوش اور محکم ولولہ پیدا کر لیتے ہیں، تو پھر اُن کی محیر العقول اور مافوق العادۃ قوتوں کے معجزات و خوارق کا ایسا ہی حال ہوتا ہے ———————— وَفِیْ ذَالِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ وَاِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیٰتٍ وَمَا یَعْقِلُھَا اِلَّا

اَلْعَالِمُوْنَ ہ

اب اہل قرطاجنہ کو لاعلاج مشکلوں کا سامنا ہوا اور محاصرہ کے مصائب روز بروز زیادہ محسوس ہونے لگے۔ قوائے جنگ کی کمی کا وہ اپنے جوش و فداکاری سے علاج کر سکتے تھے۔ لیکن غذا کی فطری ضرورت اور حیات جسمانیہ کے داعیہ طبیعیہ کا ان کے پاس کیا علاج تھا؟ راہ مرور و درآمد رسد کے بند ہو جانے سے وہ بالکل مجبور ہو گئے۔

طاسطبوس نے دیکھا کہ اس کی تدبیر کارگر ہوگئی ہے۔ پس اُس نے آخری حملہ کی تیاری شروع کر دی اور اس میں بھی ایک سخت پُر فریب حیلہ و خدع سے کام لیا۔ یعنی سب سے پہلے اپنی تیاریوں کو بندرگاہ کی طرف سے شروع کیا اور فوج کا ایک بڑا حصّہ الگ کر کے منتظر حکم تیار رکھا۔ اہل قرطاجنہ کی خاک وطن پر قربانی کے آخری دن قریب آگئے تھے۔ وہ اُن کے دھوکے کو نہ سمجھے اور یقین کر لیا کہ دشمن بندرگاہ ہی کی طرف سے حملہ آور ہوگا۔ پس انہوں نے اپنی تباہی کی خود ہی تیاری کی۔ اپنی تمام قوتوں کو اسی رُخ پر متوجہ کر دیا اور اس جانب کے چوبیں مورچوں میں آگ لگا دی۔

لیکن یہ بے فائدہ تھا۔ رومی اس جانب سے آنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ محصورین پوری طرح اس رُخ پر آگئے ہیں، تو فوراً منتظر اور محفوظ لشکر کو حکم دیا کہ شمالی جانب ہجوم کر کے بڑھ جائیں۔ یہ تدبیر پوری طرح کامیاب ہوگئی۔ رومی بغیر کسی نقصان کے بڑھتے گئے اور شہر پناہ کے پاس پہنچے، تو مقابلے کا بالکل سامان نہ تھا۔ انہوں نے وزنی گرزوں

اور سنگین ہتھوڑوں سے دروازے توڑ ڈالے اور محفوظ و مطمئن شہر میں داخل ہوگئے۔

آخری ساعات جنگ

اہل شہر کی آنکھیں کھلیں، تو اس وقت جب خونخوار درندوں کی طرح دشمنوں کے خوں آشام غول شہر کے کوچوں اور سنسان بازاروں میں پھیل گئے تھے اور تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

تاہم جو آگ حفظ وطن کی تین سال سے جل رہی تھی، وہ اس قدر جلد بجھ نہیں سکتی تھی۔ باوجودیکہ اب سعی و تدبیر کا وقت جا چکا تھا اور آخری ساعات سر پر تھیں۔ تاہم اہل شہر ذلت کے فرار کی جگہ عزت کی بعد از مقابلہ موت کے لئے تیار ہو گئے۔ اور وسط شہر میں جمع ہو کر لڑنا شروع کر دیا۔ عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئی تھیں اور کمانیں لے کر دشمنوں پر تیر برسا رہی تھیں۔ بچے دیوروں میں کھڑے تھے اور اعدائے وطن پر پتھر پھینک رہے تھے اور ایک ایسی خونریزی عرصہ تک جاری رہی جس نے تمام شہر کو خون اور لاشوں کا سمندر بنا دیا عشاق وطن اور فدائیان ملت اپنی ان عزیز جانوں کو جنہیں تین سال تک عشق وطن میں نذر مصائب و شدائد رکھا تھا، ہتھیلیوں پر لے کر بڑھتے تھے اور خونخوار دشمنوں کی تلواروں اور تیروں پر اس بے خودی و بے جگری سے گرتے تھے گویا اُن کا یہی مطلوب و معشوق ہے۔

انسان یقیناً انسان ہے، پر وہ درندہ بن جائے تو درندوں سے بھی بدتر ہے ــــــ!

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ۔

بے شک ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر اور اچھی سے اچھی ساخت پر پیدا کیا۔ پھر اسی کو بدتر سے بدتر حالت میں لوٹا لائے کہ وہ جس حالت کو اختیار کرنا چاہے؛ اپنے اندر اس کا سامان رکھتا ہے۔

یہ ظلم وسفاکی اور بربریت وسبعیت کی ایک لعنت تھی جو خونخوار رومیوں کے بے امان ہتھیاروں سے نکل کر قرطاجنہ کے تمام راستوں پر چھا گئی تھی۔ اہل شہر نے جو کچھ کیا، یہ محض اُن کے جوش وقربانی کی استقامت تھی۔ ورنہ دراصل اب نہ وہ مقابلہ کر سکتے تھے اور نہ مقابلے میں کامیابی کی کوئی صورت باقی رہی تھی۔ بالآخر وہی ہوا، جو ہمیشہ ظالم ومظلوم اور غالب ومغلوب کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ رومیوں نے اپنی تین سال کی خونیں تشنگی کو تازہ خون کے سیلاب سے بجھانا شروع کر دیا۔ پھر نہ عورتوں کو پناہ تھی نہ بوڑھوں کو اور نہ معصوم وبے زبان بچوں کو۔ زخمیوں کی کراہ، بچوں کی گریہ وزاری، عورتوں کی فریاد وبکا اور ان سب پر غالب آجانے والی صدائے وحشت وانتقام، جو رومی درندوں کی بے امان زبانوں سے نکلتی تھی۔ دراصل وہ آخری فیصلہ کی گھڑیاں تھیں، جو اہل قرطاجنہ پر گزر رہی تھیں ——————— اور نہیں معلوم اس دنیا میں کتنی بدبخت قومیں ہیں جن پر یہ گھڑیاں گزر چکی ہیں۔

رومی سپہ سالار لاشوں پر سے گزرتا ہوا قلعہ تک پہنچا۔ جس قدر باشندے قتل وغارت سے بچے تھے، وہ سب اس کے اندر موجود تھے۔ اُس نے فوج

کو حکم دیا کہ چاروں طرف سے برہنہ تلوار کھینچ کر محاصرہ کر لیں۔ اور اس تمام عرصہ میں تلواریں کب نیام میں پڑی تھیں کہ برہنہ کی جاتیں۔؟ جب یہ انتظام مکمل ہوگیا، تو قلعہ میں آگ لگا دی گئی۔

تھوڑی ہی دیر کے اندر ہر طرف شعلے بلند ہونے لگے۔ اب اہل قرطاجنہ کے لئے اندر آگ تھی اور باہر نکلیں تو آگ سے بھی زیادہ بے رحم انسانوں کی تلواریں۔ چھ دن تک شہر جلتا رہا اور نہیں معلوم کتنی جانیں اُن کے شعلوں کی نذر ہوئیں۔ مگر شہر بہت وسیع تھا اور ابھی بڑا حصّہ باقی تھا، جہاں بڑھتے ہوئے شعلوں کے انتظار میں بدبخت انسان پڑے سسک رہے تھے ــــــــــ !!

ملّت فروش و خائنِ وطن ہسڈروبال

کوئی قوم جوشِ ملّت پرستی کے خواہ کیسے ہی دورِ فداکاری میں ہو، مگر توراتِ مقدس کی روائیتوں میں کہا گیا ہے کہ باغِ عدن میں آدم کے ساتھ سانپ بھی تھا۔ پس قوم، قوم فروشوں اور خائنینِ ملّت سے خالی نہیں ہوتی۔ اور اُس کی آستین صداقت میں کوئی نہ کوئی سانپ بھی موجود ہوتا ہے۔

أُولَٰئِكَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ۔ — پھر یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان پر لعنت کی اور تمام لعنت بھیجنے والے بھی اُن پر لعنت بھیجتے ہیں۔

ایک محفوظ اور بلند پہاڑی پر اہلِ قرطاجنہ کے دیوتا (اسکولپیوس)

نامی کا ہیکل تھا جس کی دیواریں رفیع اور حصار مستحکم تھا۔ اس میں نوسو کے قریب استقلال پرست قرطاجنی (ہسڈروبال) نامی قرطاجنی افسر کی ماتحتی میں پناہ گزیں تھے۔ اور رومی اس کو مغلوب کرنے میں بالکل ناکام رہے تھے۔ لیکن جب رسد کی قلت نے بھوک کی تکلیف سے مجبور کر دیا، تو ہسڈروبال اپنی جماعت کی اطلاع کے بغیر غداری اور بے وفائی کر کے نکل آیا اور اپنے تئیں رومیوں کے حوالے کر دیا۔

رومی سپہ سالار نے اس خیانت کے صلے میں اسے پیروں کے پاس جگہ دی۔ وہ جب بیٹھا تو اوپر ہیکل کی دیواروں سے محصور قرطاجنیوں نے اُسے دیکھا۔ وہ اپنے غصّے اور غضب کو ضبط نہ کر سکے اور باوجودیکہ خود بھی فاقے کی مصیبت میں گرفتار تھے جس سے بچنے کا طریقہ ہسڈروبال نے بتلا دیا تھا۔ لیکن اُن کے حیّات شریفہ نے ان کو نفرت و اکراہ سے بھر دیا۔ اُنہوں نے چلّا چلّا کر کہنا شروع کیا کہ اے خائن اور کمینہ خصلت ہسڈروبال! تجھ پر ہمیشہ کے لئے پھٹکار ہو کہ تیری بزدلی اور نامرادی نے قرطاجنہ کے دامن عزّت پر دھبہ لگا دیا۔

عشاقِ ملّت کے مصائب

ترکِ جان و ترکِ مال و ترکِ سر   درطریقِ عشق اوّل منزل است

رسد کی آمد عرصے سے بند ہو گئی تھی۔ پُرانے ذخیرے کب کے ختم ہو چکے تھے۔ اب شب و روز کا فاقہ تھا جس میں ہسڈروبال کے ساتھی مبتلا تھے چند دن اور انہوں نے اسی عالم میں بسر کئے۔ وہ ہیکل کی دیواروں سے باہر

اس دنیا کو دیکھتے تھے جہاں دنیا کی تمام نعمتیں اور راحتیں موجود تھیں۔ وہ رومی فوج کے سامنے طرح طرح کے لذیذ اور پُرتکلف کھانوں کے دسترخوان بچھے ہوئے دیکھتے تھے۔ اور ہسڈروبال کو بہچانے میں بھی اُن کی نظر غلطی نہیں کرتی تھی، جو ان لذائذ و نعایم میں شریک کر لیا جاتا تھا۔ ان سے چند قدموں کے فاصلے پر یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن ان کے لئے، ان بدبختوں کے لئے روٹی کا ایک خشک ٹکڑا اور سمندر کے تلخ پانی کا ایک قطرہ بھی اس دنیا میں باقی نہیں رہا تھا۔ کیوں ــــــــــــ؟ صرف اس لئے کہ جرم محبتِ ملّت کے مجرم اور وطن پرستی کے تصور کے گنہگار تھے! پھر آہ! اے معبدِ ملّت پرستی اور اے صنمِ مقدسِ حریت و آزادی! تیری پرستش اور تیری محبت کے جرم نے تیرے پرستاروں کو کن کن آزمائشوں میں مبتلا نہیں کیا۔ اور کیسے حوصلہ آزما عذابوں سے دوچار نہیں ہوئے؟ پر تجھ میں وہ کون سی عقل رُبا اور ہوش افگن دلفریبی ہے جس کی مقناطیسی، تعبد کی قہرمانیت پر نظامِ کائنات کی کوئی قوت غالب آ نہیں سکتی؟

ترکِ جاں در رہِ آں سرور داں ایں ہمہ نیست
عشق اگر نرخ نہد، قیمتِ جاں ایں ہمہ نیست

اُن کے لئے بھی عیش و راحت کا دروازہ کھلا تھا۔ ایک طرح کے اندر اُن کی حالت بدلی جا سکتی تھی۔ ہسڈروبال نے بتلا دیا تھا کہ جس کو شرفِ ملّی سے زیادہ حفظِ نفس عزیز ہو، اس کو کیا کرنا چاہئے۔ رومی تیار تھے کہ اگر وہ اپنے تئیں سپرد کر دیں اور اُن کی غلامی کا طوق پہننے کے لئے تیار ہو جائیں تو اُن کو امان دے

دی جائے۔ لیکن ان کی غیرتِ عشق نے اس کو گوارا نہ کیا کہ جس محبوب کے عشق مقدس میں تین سال تک رشتۂ وفاداری ہاتھ سے نہ دیا ہو، اب زندگی کی آخری ساعات میں جبکہ اُن کا وطنِ محبوب شعلوں کے اندر سے سرگرمِ فغاں اور ملّتِ عزیزہ سیلابِ خون کے اندر سے توصیہ فرمائے استقامت و وفاداری ہے اپنی حیاتِ فانی کی ایک مدّتِ مجہول و قصیر کے لئے اس سے کیا بیوفائی کریں ـــــ؟

النّار و لا العار

بالآخر قبل اس کے کہ دشمنوں کے ہاتھ سے شہر کی طرح ہیکل کی دیواروں میں بھی آگ لگائی جاتی، اُنہوں نے خود ہی اُس میں آگ لگا دی۔ ع

آتشم تیز است و داماں مے زنم

جب آگ نے اچھی طرح در و دیوار میں جگہ بنائی اور شعلے تیزی کے ساتھ بھڑکنے لگے، تو تمام قرطاجی جن میں عورتیں بھی تھیں اور معصوم بچے بھی ایک مقام پر آکر جمع ہو گئے اور قرطاجنہ کے نام کی جان سپارانہ صدائیں لگا کر بھڑکتے ہوئے شعلوں کے اندر کود پڑے۔ عیشِ فانی کے لالہ زار سے جو غیروں کی غلامی سے حاصل ہوا ہو، کیا یہ شعلہ ہائے حیات سوز بہتر نہ تھے، جن کے اندر اپنی ملّتِ محبوب کے ہزاروں اجسام اور اپنی سرزمینِ مقدس کی صدہا عمارتوں اور گرمی ہوئی دیواروں کی خاکستر ملی ہوئی تھی؟ وہ اس شوق و ذوق اور بے حواسی سے آگ میں کود رہے تھے، گویا مدّتوں کے بچھڑے ہوئے عشاق ہیں، جو اپنی محبوب کی خوابگاہِ وصال کی طرف بے تابانہ جا رہے ہیں۔ فالموت جسر

یوصل الحبیب الی الحبیب (موت مثل ایک درمیانی پل کے ہے جو دوست کو دوست تک پہنچا دیتا ہے۔)

شوہر اپنے سامنے اپنی عورتوں کو جلتا ہوا دیکھتے تھے تاکہ عیروں کا تسلّط ان کے ننگ وناموس کو بٹہ نہ لگا دے۔

مائیں اپنے معصوم بچوں کو چھاتی سے لگائے ہوئے شعلوں میں کودتی تھیں تاکہ اُن کے بعد اُن کی نسل عیروں کی غلامی و محکومی کے لئے باقی نہ رہے والدین اپنی اولاد کے ساتھ شعلوں سے لپٹ لپٹ کر جان دیتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ عیروں کی غلامی سے اُن کے فرزندوں کے شرف کو بٹہ لگے۔ وہ جب کہ جل رہے تھے تو اُن کے جسم سوختہ کا دھواں زبان حال سے صدا لگا رہا تھا کہ "النار ولا العار"۔ آگ میں جلنا منظور رہے، مگر ذلّت قومی منظور نہیں۔

تِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

عشقِ ملّت اور حرّیت پرستی کی یہ ایک مثال تھی جو مبارک قرطاجیوں نے دنیا کو دکھلا دی۔ اُنہوں نے اپنی جانیں ضرور دیں لیکن اپنی جانفروشی کی نظیر سے قوموں اور ملکوں کو زندگی بخش دی۔ اور فی الحقیقت جو لوگ اس دنیا میں مرتے ہیں، وہی مُردوں کو زندگی بھی بخش سکتے ہیں۔ تم اگر صرف اپنی خاطر زندہ ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنی ملّت کے لئے ایک مُردہ لاش ہو۔ پر اگر قوم کے لئے مرجاؤ تو تم نہ صرف زندہ ہو بلکہ ہزاروں اور لاکھوں جسموں اور سینوں کو

زندگی بخشنے والے ہو۔

اہل قرطاجنہ نے آگ کے شعلوں میں کود کر جانیں دے دیں لیکن اسلام جس کی حیاتِ معنوی کی پہلی شرط نفس پر موت طاری کرنا ہے، اگر ہوتا تو آگ کے شعلوں کی جگہ دشمنوں کی تلواروں کی طرف اشارہ کرتا۔ اور آخری مایوسی کے عالم میں بھی اس کو کبھی پسند نہ کرتا کہ اس کے فرزندوں کی جانیں بالکل رائگاں جائیں۔ یہ تو استقلال پرست قرطاجنی سر سے کفن باندھ کر اگر نکلتے تو کم از کم نو سو رومیوں کو تو ضرور خاک و خون میں ملا دیتے۔ تاہم جس جذبۂ فدا کاری اور جان سپاری سے انہوں نے جانیں دیں، اس کے شرف و احترام کی تاریخ عالم ہمیشہ حفاظت کرے گی۔ آگ کے شعلوں نے اُن کے جسموں کو چند لمحوں کے اندر فنا کر دیا ہوگا۔ لیکن ان کی مثال حریت و آزادی کی روح مقدس کبھی فنا نہیں ہو سکتی انہوں نے صفحہ عالم پر اپنی یاد ہمیشہ کے لئے نقش کر دی اور آنے والی قوموں کے لئے ایک مثال عظیم چھوڑ گئے۔

عبرت و نتائج

ان کی سرگزشت از سر تا پا ایک توصیۂ حریت اور ایک صدائے موعظت ہے جو قوموں کو بتلاتی ہے کہ اپنی قومی آزادی اور ملی استقلال کی قدر و قیمت پہچانیں۔ اور اس کی محبوبیت و معشوقیت کا اندازہ کریں۔ ان کی تاریخ اُن قوموں کے لئے ایک شاہراہِ عمل کا افتتاح کرتی ہے، جنہوں نے اپنی غفلت کی لعنت میں گرفتار ہو کر غیروں کی غلامی و محکومی کا طوق پہن لیا ہے اور ان کی ہیبت و سطوت اور قوائے جنگ و اسباب تسلط سے مرعوب

ہو گئی ہیں۔ انہوں نے گویا ہمیشہ کے لئے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ قوموں کی زندگی اور استقلال صرف قوائے جنگ اور اسلحہ وآلاتِ جنگ کے حصول ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ دلوں کے محکم جوش مصیبت کے نیچے احساس مستعدی اور آمادگی کی صداقت اور سب سے زیادہ یہ کہ باہمی نزاعوں اور بے مہریوں کی بجائے اتحاد و اتفاق کی زنجیروں میں بندھ کر ایک دل اور ایک جان ہو جانے پر ہے۔ پھر نہ فوج کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ نہ اسبابِ مادیہ مقاومت و دفاع کی احتیاج ہوتی ہے۔ نہ ہتھیاروں کے چھو جانے سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اور نہ قلعوں کے مسمار ہو جانے سے قوت سلب ہو سکتی ہے۔

ان کا مقابلہ ایک نہایت متمدن اور شائستہ قوم سے تھا۔ جو اس زمانہ میں یورپ کے موجودہ تمدّن کی قائم مقام تھی۔ دشمن شہر پر قابض ہو چکے تھے ہتھیار چھین لئے تھے اور ان کی تعداد بے شمار تھی۔ تاہم تم نے دیکھا کہ جب انتہا درجے کی مایوسی چھا گئی۔ ہر طرف سے امید کا دروازہ بند ہو گیا اور قرطاجنہ کے ہر فرد کو آنے والے وقت کا سچا اور آخری احساس ہو گیا۔ تو پھر ان کے دل قوت اور طاقت کی نئی روح سے بھر گئے۔ اور اُن کے دلوں سے ایک طرح کے اندر دشمنوں کی قوت، تسلط، قوائے جنگ اور کثرتِ تعداد کا رُعب دُھل گیا۔ پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور سب کے دل قومی عزت کے حفظ کے لئے مل کر ایک ہو گئے۔ اگر ہتھیار نہ تھے تو عمارتوں سے لوہا نکال کر ڈھالنا شروع کر دیا۔ اگر کمانیں نہ تھیں تو عورتوں نے اپنے بالوں کو کاٹ کاٹ کر اس کے چلّے بنائے۔ پھر سب کچھ ہو گیا۔ کیونکہ جو قوم مرنے کے لئے مستعد

ہو جائے۔ خواہ وہ کیسی ہی بے دست و پا اور بے سامان ہو مگر پھر بھی وہ ایک ایسی قوت ہے جو سب کچھ کر سکتی ہے۔ جو نا ممکن کو ممکن بنا سکتی ہے اور جس پر اس دنیا کی کوئی قوی سے قوی طاقت بھی غالب نہیں آ سکتی۔

آخری نظارہ

یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور خائنِ ملک و ملت (ہسڈروبال) رومی لشکر میں بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ اس کی نوجوان بیوی جس کی حسن و رعنائی تمام قسرطاجنہ میں ضرب المثل تھی۔ ہیکل کے اندر پناہ گزینوں کے ساتھ تھی اور دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس کی گود میں تھے۔ ہسڈروبال کو اپنی بیوی سے عشق تھا۔ جب اُس نے قوم سے غداری کر کے پوشیدہ نکل جانے کا ارادہ کر لیا تو چاہا کہ اپنی بیوی اور بچوں کو بھی ساتھ لے جائے۔ اُس نے اپنے ذلیل ارادے سے اُسے اطلاع دی اور طرح طرح کی تدبیروں سے سمجھانا چاہا۔ لیکن اس وفادار ملت، فدا کارِ وطن اور تمثالِ شرافت و عظمت نے نہایت ذلت و نفرت سے اس کی تجویز کو ٹھکرا دیا اور اس درجہ غصے سے مضطرب الحال ہوئی کہ ہسڈروبال سہم گیا۔ اُسے خوف ہوا کہ کہیں جوشِ غضب میں میرے مخفی ارادے کو قوم پر ظاہر نہ کر دے اور میں اپنی جان کو بچا کر نہ لے جا سکوں۔

افسوس کہ اس خائنِ ملت کو اس پر بھی شرم نہ آئی۔ محبتِ نفس و عشقِ غذائے حیوانی نے اس کو مغلوب کر لیا تھا۔ وہ رات کے وقت نظروں سے پوشیدہ ہو کر تن تنہا نکل آیا اور سمجھا کہ میری مثال اور غذا کا فقدان ان لوگوں کو بھی اطاعت کرنے پر مجبور کر دے گا۔ اور میری بیوی بھی کچھ دنوں کے

بعد نکل آئے گی۔

لیکن اُس کے نفس ذلیل وسفیہہ نے اس کو دھوکا دیا۔ اُس نے اپنی بیوی اور اپنی جماعت کے قلب شریف کو بھی اپنا ہی سمجھا تھا۔ صبح کے وقت جب ہیکل کی دیواروں سے اس کی بیوی نے رومی سپہ سالار کے پاس اُسے دیکھا تو غیظ وغضب میں آکر چلّا اٹھی اور نفرت وحقارت کے ساتھ اُس پر لعنت بھیجی۔

اس کے بعد آخر تک ہسڈرو بال کی بیوی نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور جب خاتمے کے آخری دن ہیکل کی دیواروں سے آگ کے شعلے بلند ہوئے، تو اُس نے اپنی قوم سے کہا،

"مجھے چند لمحوں کی زندگی ابھی مطلوب ہے۔ اپنے لئے نہیں اپنے
ان معصوم بچوں کیلئے نہیں بلکہ ان کے غدار او رسفیہہ باپ کے لئے
جس کو قبل اس کے مقدس دیوتا آخرت کی لعنت میں گرفتار کرے
میں چاہتی ہوں کہ دنیا میں آج بھی ایک سزا دے دوں۔ افسوس کہ
اُس نے مجھ سے نہیں مگر اپنی قوم سے بے وفائی کی۔ وہ آج تک
میرے عشق میں ثابت قدم رہا۔ لیکن کاش مجھ سے بے وفائی کرتا پر
اپنی قوم سے بے وفانہ ہوتا"

اُس نے یہ کہا اور اُس وقت تک توقف کیا جب تک کہ آگ کے شعلے ہیکل کے احاطے کی دیواروں تک نہ پہنچ گئے۔ یہ مقام رومی فوج کے بالکل سامنے اور قریب تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ دیواروں میں آگ نے اچھی طرح گھر بنا لیا

ہے، تو اپنے دونوں بچوں کو گود میں سے کر نکلی اور ہسڈروبال کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئی ۔

ہسڈروبال کی بیوی کی تقریر

اُس کا مستقیم قد استقلال و ثبات کا ایک آہنی ستون تھا ۔ اور اُس کی حسین آنکھوں سے غیظ و غضب کی چنگاریاں نکل رہی تھیں ۔ وہ پہلے بھی حسین تھی لیکن اس وقت عزم و استقامت اور عظمت و جبروت کے حسنِ معنوی نے اس کے اندر فرشتوں کی سی ایک ہیبت جمیل پیدا کر دی تھی ۔

اُس نے پہلے رومیوں کے لشکر اور اُن کے سازو سامان کی طرف ایک نظر حقارت ڈالی کر تذلیل کی پھر رومی سپہ سالار کی طرف دیکھ کر کہا ،

"اے ظالم رومیو ۔۔۔۔ ! تم خوش ہو کر تم نے ہماری بربادی و ہلاکت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی لیکن تم بھول گئے کہ دنیا کی ایسی ظالمانہ خوشیاں ہمیشہ عارضی ہوئی ہیں ۔ اس وقت کو دُور نہ سمجھو ، جب تمہاری ہلاکت و بربادی کا وقت بھی آئے گا اور گو اس وقت کو دیکھنے کے لئے ہم نہ ہوں گے مگر ہمارے اجسام سوختہ کی خاکستر اور قرطاجنہ کی جلی ہوئی دیواروں کے ذرّے موجود ہوں گے ۔"

پھر وہ اپنے شوہر کی طرف متوجہ ہوئی ۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے آنے والے وقت سے بے خبر اس کی چھاتی سے چپٹے ہوئے تھے جب کہ اُس نے کہا ،

"اے ہسڈروبال ! اے خائن ملّت !! اے شقی روسیاہ !!! اے

وہ کہ تو نے اپنی قوم، اپنے مقدس وطن اور اپنے دیوتاؤں سے بے وفائی کی! یاد رکھ کہ قرطاجنہ کی جلی ہوئی دیواروں کی خاک کا ہر ذرہ تجھ پر لعنت بھیج رہا ہے اور قیامت تک کے لئے تیری روح سفیہہ اور ہستی نجس پر انسانوں کی پھٹکار ہو گی۔ تو نے اپنوں کو فاقہ و موت کی حالت میں چھوڑ کر غیروں کی اطاعت کر لی۔ تو نے اپنی اس جماعت کو چھوڑ کر جو تیرے قدموں پر سر رکھے ہوئے تھی اس روم کے ملعون ظالم قدموں تلے جگہ ڈھونڈی۔ تو نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا تاکہ وہ فاقہ و تنگی سے ہلاک ہو اور خود روٹی کے ایک ٹکڑے اور پانی کے ایک کوزے کے لئے غیر قوموں کی ٹھوکریں کھانے کے لئے چلا آیا۔ بتلا کہ تو نے دیوتاؤں کی مقدس قسم قوم کی وفاداری اور وطن کی محبت کو بیچ کر کیا پایا؟ اس حیاتِ فانی کی چند گھڑیاں، جو ممکن ہے کہ ابھی ہی ختم ہو جائیں؟ روٹی کا ایک ٹکڑا اور پانی کے چند قطرے، جو تو نو سو قرطاجنیوں کی بھوک اور تڑپ کو بھول کر اپنے حلق کے نیچے اتارتا تھا؟ یا پھر دنیوی عزت اور کامرانی کا کوئی وعدہ جو اس رومی سپہ سالار نے تجھ سے کیا ہے؟ لیکن اے شقی و سفیہہ! بتلا کہ جب تیری قوم میں سے ایک فرد بھی اس دنیا میں باقی نہ رہا، جب تیرا ملک آگ کے شعلوں کا ایندھن بن گیا، جب قرطاجنہ کی ہزار سالہ نسل نابود و فنا ہو گئی، تو پھر دنیا میں تیرے لئے تن تنہا تیرے لئے، اے

یعنی ورو سیاہ تیرے لئے، کون سی شے ہے جو عزت اور خوشی کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ کیا یہ ظالم رومی تیرے سر پر رومۃ الکبریٰ کے تخت کا تاج رکھ دیں گے؟ پھر اگر وہ رکھ بھی دیں، تو تیری تمام قوم کے مٹ جانے کے بعد وہ تاج تجھ کو کیا خوشی دے سکتا ہے؟ ہزار تف ہو تجھ پر اے ہسڈروبال کہ تیری زندگی تیری قوم کے کام نہ آئی! اور قیامت تک کے لئے پھٹکار ہو ہر اس زندگی پر، جو تیرے نقش قدم پر چلے، اور حیاتِ دنیویہ کی فانی لذتوں اور نفس وجان کے آرام وراحت کے لئے اپنی قوم اور اپنے ملک سے بے وفائی کرے۔"

شدت غیظ وغضب سے اس کا تمام جسم کانپنے لگا اور جب اپنی قوم کی بکسر بربادی وہلاکت یاد آئی تو درد وغم کے زور سے اُس کی آواز مبند ہو گئی۔

چند لمحوں تک اُس نے سکوت قہر کے ساتھ اپنے بدبخت شوہر کو دیکھا پھر ایک نگاہ اشک آلود اپنے اُن بچوں پر ڈالی، جو اس کے ارادے سے بے خبر اور کئی دنوں متصل فاقے سے زار ونزار ہو کر اس کے منہ کو ظالمانہ تک رہے تھے۔

وہ کسی مخفی ارادے کا فیصلہ کر کے استقلال آہنیں کے ساتھ آگے بڑھی بچوں کو گود سے اُتار کر اپنے سامنے کھڑا کیا اور اپنے جبنی ضعف وصوت نسائی کے خلاف، شہنشاہوں اور فاتحوں کی آواز میں گرج کر بولی،

"تیری اصلی سزا کا وقت دُور نہیں ہے، جب کہ قرطاجنہ کا مقدس دیوتا اپنی عدالت میں تجھے کھڑا کرے گا! لیکن اس وقت بھی تیرے لئے ایک عذاب الیم درپیش ہے۔ پھر بتلا کہ جب تو مجھے اور اپنے ان بچوں کو آگ میں جلتا ہوا اور موت کے استغفار سے تڑپتا ہوا دیکھے گا تو تیرے پاس کیا عذر ہوگا؟ کون ہے جو تجھ کو اس معائنۂ تعذیب اور اس نظارۂ الیم سے بچائے گا؟ تیرا معبود رومی جس کے قدموں کی ٹھوکر کھانے کا تجھے فخر ہے، تجھ کو روٹی دے سکتا ہے، پر اس عذاب سے تو نہیں بچا سکتا!"

رومی سپہ سالار، ہزاروں افسران جنگ اور فنون محاصرہ اس طرح ساکت وصامت تھے گویا اُن کے خاطم دلوں کی طرح آج اُن کے اجسام بھی پتھر کے بُت بن گئے ہیں۔ ہسدر وبال کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں مگر کانوں میں سمندر کی روانی، جنگلوں کی سنسناہٹ اور درندوں کی مہیب بولیوں کی سی متوحش صدائیں آ رہی تھیں۔ وہ اپنی بیوی کو جس کا پیکر حُسن اس وقت ایک فرشتہ عذاب کی طرح اُس کے سامنے تھا، دیکھ رہا تھا، لیکن نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ کیا ہے؟

شہداء ملت کی یاد میں آخری قطرۂ اشک

اُس کی بیوی نے ایک مرتبہ قرطاجنہ کے جلے ہوئے کھنڈر کو جی بھر کے دیکھا۔ پھر اپنی قوم اور اپنے ملک کی یاد میں ایک آخرین قطرۂ اشک بہایا۔ اس کے بعد اپنے دونوں بچوں کا گلا گھونٹ کر آگ میں ڈال دیا اور

اُن کے بعد خود بھی آگ میں کود کر اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں روپوش ہوگئی ــــــــ!!!

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ

مسلمانو! پکارنے والا پکار رہا ہے کہ اب خدائے قدوس کی سرکشی و نافرمانی سے باز آجاؤ اور بادشاہِ ارض وسماء کو اپنے سے روٹھا ہوا نہ چھوڑو۔ جس کے روٹھنے کے بعد زمین و آسمان کی کوئی ہستی بھی تم سے من نہیں سکتی۔ اُس سے بغاوت نہ کرو بلکہ دنیا کی تمام طاقتوں سے باغی ہو کر صرف اسی کے وفادار ہو جاؤ پھر کوئی ہے جو اس آواز پر کان دھرے؟

لوگ دنیا میں سینکڑوں قوتوں کے محکوم ہیں۔ ماں باپ کے محکوم ہیں۔ دوست واحباب کے محکوم ہیں۔ اُستاد ومرشد کے محکوم ہیں امیروں حاکموں اور بادشاہوں کے محکوم ہیں۔ اگرچہ وہ دنیا میں بغیر کسی زنجیر وبیڑی کے آئے تھے۔ مگر دنیا نے اُن کے پاؤں میں بہت سی بیڑیاں ڈال دی ہیں ——————،

لیکن مومن ومسلم ہستی وہ ہے، جو صرف ایک ہی کی محکوم ہے۔ اس کے گلے میں محکومی کی ایک بوجھل زنجیر ضرور ہے پر مختلف سمتوں میں کھینچنے والی بہت سی ہلکی زنجیریں نہیں ہیں۔ وہ ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہے کیونکہ اس کے ایک ہی حاکم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے وہ دوستوں سے محبت رکھتا ہے کیونکہ اُسے رفیقوں اور ساتھیوں کے ساتھ سچے برتاؤ کی تلقین کی گئی ہے۔ وہ اپنے سے ہر بزرگ اور ہر بڑے کا ادب ملحوظ

رکھتا ہے کیونکہ اُس کے ادب آموز حقیقی نے اُسے ایسا ہی بتایا ہے۔ وہ بادشاہوں اور حاکموں کا حکم بھی مانتا ہے کیونکہ حاکموں کے ایسے حکموں کے ماننے سے اُسے نہیں روکا گیا ہے جو اس کے حاکم حقیقی کے خلاف نہ ہوں وہ دنیا کے ایسے بادشاہوں کی اطاعت بھی کرتا ہے جو اس کی آسمانی بادشاہت کی اطاعت کرتے ہیں کیونکہ اُسے تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ہی ایسا کرے لیکن یہ سب کچھ جو وہ کرتا ہے۔ تو اس لئے نہیں کرتا کہ ان سب کے اندر کوئی حکم ماننا اور اُن کے جھکنے کی جگہ سمجھتا ہے بلکہ صرف اس لئے کہ اطاعت ایک ہی کے لئے ہے اور حکم صرف ایک ہی کا ہے۔ جب اس ایک ہی حکم دینے والے نے ان سب باتوں کا حکم دے دیا، تو ضرور ہے کہ خدا کے لئے ان سب بندوں کو بھی مانا جائے اور اللہ کی اطاعت کی خاطر وہ اس کے بندوں کا بھی مطیع ہو جائے۔

پس فی الحقیقت دنیا میں ہر انسان کے لئے بے شمار حاکم اور بہت سی جھکانے والی قوتیں ہیں لیکن مومن کے لئے صرف ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔ وہ صرف اسی کے آگے جھکتا ہے اور صرف اُسی کو مانتا ہے اس کی اطاعت کا حق ایک ہی کو ہے۔ اس کی پیشانی کے جھکنے کی چوکھٹ ایک ہی ہے اور اُس کے دل کی خریداری کے لئے بھی ایک ہی خریدار ہے وہ اگر دنیا میں کسی دوسری ہستی کی اطاعت کرتا بھی ہے تو صرف اسی ایک کے لئے۔ اس لئے اس کی بہت سی اطاعتیں بھی اس ایک ہی اطاعت میں شامل ہو جاتی ہیں۔

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

حضرت یوسف (علیہ السلام) نے قید خانے میں اپنے ساتھیوں سے کیا پوچھا تھا؟

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ — بہت سے معبود بنالینا بہتر ہے یا
اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ — ایک ہی قہار و مقتدر خدا کو پوجنا؟

یہی وہ خلاصۂ ایمان و اسلام ہے جس کی ہر مومن و مسلم کو قرآن نے تعلیم دی ہے کہ

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا — تمام جہان میں اللہ کے سوا کوئی
تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ط — نہیں جس کی حکومت ہو۔ اس

نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اور نہ کسی کو اپنا معبود بنائیں۔

یہی "دین قیم" ہے جس کی پیروی کا حکم دیا گیا۔

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥

حدیث صحیح یہ ہے کہ فرمایا۔

لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ — جس بات کے ماننے میں خدا کی
الخالق! (بخاری و مسلم) — نافرمانی ہو اس میں کسی بندے کی

فرمانبرداری نہ کرو۔

اسلام نے یہ کہہ کر فی الحقیقت ان تمام ماسوی اللہ اطاعتوں اور

فرمانبرداریوں کی بندشوں سے مومنوں کو آزاد کر کے رکھ دیا جن کی بیڑیوں
سے تمام انسانوں کے پاؤں بوجھل ہو رہے تھے اور ایک ہی جملہ میں
انسانی اطاعت اور پیروی کی حقیقت اس وسعت اور احاطہ کے ساتھ سمجھا
دی کہ اس کے بعد اور کچھ باقی نہ رہا۔ یہی ہے جو اسلامی زندگی کا دستور العمل
ہے اور یہی ہے جو مومن کے تمام اعمال و اعتقادات کی ایک مکمل تصویر
ہے۔ اس تعلیم الٰہی نے بتلا دیا ہے کہ جتنی اطاعتیں، جتنی فرمانبرداریاں جتنی
وفاداریاں اور جس قدر بھی تسلیم و اعتراف ہے، صرف اسی وقت تک
کے لئے ہے جب تک کہ بندے کی بات ماننے سے خدا کی بات نہ
جاتی ہو اور دنیا والوں کے وفادار بننے سے خدا کی حکومت کے آگے
بغاوت نہ ہوتی ہو۔ لیکن اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے کہ اللہ اور اس
کے بندوں کے احکام میں مقابلہ آپڑے، تو پھر تمام اطاعتوں کا خاتمہ،
تمام عہدوں اور شرطوں کی شکست، تمام رشتوں اور ناتوں کا انقطاع اور
تمام دوستیوں اور محبتوں کا اختتام ہے۔ اس وقت نہ تو حاکم حاکم ہے،
نہ بادشاہ بادشاہ۔ نہ باپ باپ ہے، نہ بھائی بھائی۔ سب کے آگے
تمرّد، سب کے ساتھ انکار، سب کے سامنے سرکشی، سب کے ساتھ
بغاوت۔ پہلے جس قدر فرمانبرداری تھی اتنی ہی اب نافرمانی مطلوب ہے
پہلے جس قدر جھکاؤ تھا اتنا ہی اب عزور۔ کیونکہ رشتے کٹ گئے اور عہد
توڑ ڈالے گئے۔ رشتہ دراصل ایک ہی تھا اور یہ سب رشتے اسی ایک
رشتے کی خاطر تھے۔ حکم ایک ہی کا تھا اور یہ سب اطاعتیں اسی ایک

اطاعت کے لئے تھیں۔جب ان کے ماننے میں اس سے انکار اوران کی وفاداری میں اس سے بغاوت ہونے لگی تو جس کے حکم سے رشتہ جوڑا تھا، اُسی کی تلوار نے کاٹ بھی دیا اور جس کے ہاتھ نے ملایا تھا، اُسی کے ہاتھ نے الگ بھی کر دیا کہ

لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق

سرور کائنات اور سید المرسلین (صلے اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر مسلمانوں کا کون آقا ہو سکتا ہے؟ لیکن خود آپ نے بھی جب عقبہ میں انصار سے بیعت لی تو فرمایا کہ "والطاعة فی معروف" میری اطاعت تم پر اسی وقت تک کے لئے واجب ہے جب تک کہ میں تم کو نیکی کا حکم دوں۔جب اس شہنشاہ کونین کی اطاعت مسلمانوں پر نیکی و معروف کے ساتھ مشروط ہے تو پھر دنیا میں کون بادشاہ، کون سی حکومت، کون سے رہنما اور کون سی قوتیں ایسی ہو سکتی ہیں، جن کی اطاعت ظلم و عدوان کے بعد بھی ہمارے لئے باقی رہے؟

آدم کی اولاد دو کی محکوم نہیں ہو سکتی۔وہ ایک سے ملے گی دوسرے کو چھوڑے گی۔ایک سے جوڑے گی، دوسرے سے کٹے گی۔پھر خدا را مجھے بتلاؤ کہ ایک مومن کس کو چھوڑے گا اور کس سے ملے گا؟ ایک ملک کے دو بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ایک باقی رہے گا، ایک کو چھوڑنا پڑے گا پھر مجھے بتلاؤ کہ مومن کی اقلیم دل کس کی بادشاہت قبول کرے گی؟ کیا وہ اس سے ملے گا جس کی حالت یہ ہے کہ:-

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ
بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (۲ : ۲۷)

خدا نے جس کو جوڑنے اور ملانے کا حکم دیا ہے۔ وہ اُسے توڑتے اور جُدا کرتے ہیں۔

کیا اُس کی بادشاہت قبول کرے گا جس کی حالت کی تصویر یہ ہے؟

وَيُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

وہ دنیا میں فتنہ فساد پھیلاتے ہیں۔ اور انجام کار وہی ناکام و نامراد رہیں گے۔

اور کیا اُس کی بادشاہت سے گردن موڑ لے گا جو پکارتا ہے کہ:-

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ
بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ (۸۲ : ۶)

اے غافل انسان! کیا ہے جس کے گھمنڈ نے تجھے اپنے مہربان کرنے والے آقا سے سرکش بنا دیا ہے۔؟

مگر آہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ
وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ج
ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ
ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

تم اس شہنشاہِ حقیقی کی حکومت سے کیونکر انکار کرو گے جس نے تمہیں اس وقت زندہ کیا جب کہ تم مردہ تھے۔ وہ تم پر پھر موت طاری کرے گا۔ اس کے بعد دوبارہ زندگی بخشے گا۔ پھر تم سب اسی کے پاس بُلائے جاؤ گے۔

دنیا اور اُس کی بادشاہیاں فانی ہیں۔ اُن کے جبروت و جلال کو ایک

دن ٹلتا ہے۔ خدائے منتقم وقہار کے بھیجے ہوئے فرشتہ ہائے عذاب انقلاب و تغیّرات کے حربے لے کر اُترنے والے ہیں۔ اُن کے قلعے مسمار ہو جائیں گے۔ اُن کی تلواریں کند ہو جائیں گی۔ اُن کی فوجیں ہلاک ہوں گی۔ ان کی توپیں ان کو پناہ نہ دیں گی۔ اُن کے خزانے اُن کے کام نہ آئیں گے۔ ان کی طاقتیں نیست ونابود کر دی جائیں گی۔ ان کا تاج غرور اُن کے سر سے اُتر جائے گا۔ اُن کا تختِ جلال وعظمت واژگوں نظر آئے گا۔ •

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ
وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيلًا
اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ
لِلرَّحْمٰنِ ط وَكَانَ يَوْمًا عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا۔

اور جس دن آسمان ایک بادل کے ٹکڑے پر سے پھٹ جائے گا. اور اس کے بادل کے اندر سے فرشتے جوق در جوق اتارے جائیں گے۔ اس دن کسی کی بادشاہت باقی نہ رہے گی صرف خدائے رحمٰن ہی کی حکومت ہوگی اور یاد رکھو کہ وہ دن کافروں کے لئے بہت ہی سخت ہوگا۔

پھر اُس دن جب کہ رب الافواج اپنے ہزاروں ہزار قدوسیوں کے ساتھ نمودار ہوگا۔ اور ملکوت السمٰوات والارض کا نقیب پکارے گا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ
الْقَهَّارِ۔

آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ کسی کی نہیں صرف خدائے واحد وقہار کی۔

تو اس وقت کیا عالم ہوگا، ان انسانوں کا جنہوں نے پادشاہ ارض وسماء کو چھوڑ کر مٹی کے تودوں کو اپنا بادشاہ بنا لیا ہے اور ان کے حکموں کی اطاعت کو خُدا کے حکموں کی اطاعت پر ترجیح دیتے ہیں؟ اُس دن وہ کہاں جائیں گے جنہوں نے انسانوں سے صلح کرنے کے لئے خدا سے جنگ کی اور اپنے اس ایک ہی آقا کو ہمیشہ اپنے سے روٹھا ہوا رکھا ــــــ؟ وہ پکاریں گے پر جواب نہ دیا جائے گا۔ وہ فریاد کریں گے پر سنی نہ جاوے گی وہ توبہ کریں گے پر قبول نہ ہوگی۔ وہ نادم ہوں گے، پر ندامت کام نہ دے گی۔

اے انسان! اس دن کے لئے تجھ پر افسوس ہے۔ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ۔

وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ	ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنے
فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ	ان خداوندوں اور حاکموں کو پکارو

جن کو تم خدا کی طرح مانتے تھے اور خدا کی طرح اُن سے ڈرتے تھے وہ پکاریں گے پر کچھ نہ پائیں گے۔

پس وہ معلّمِ الٰہی، وہ داعیِ ربّانی، وہ مبشّر ومنذر رحمۃ اللعالمین، وہ محبوبِ رب العالمین، وہ سلطان کونین آگے بڑھے گا اور حضور خداوندی میں عرض کرے گا۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ	اے پروردگار افسوس ہے۔ کہ
قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ	میری اُمّت نے قرآن کی ہدایتوں

مَهْجُوْرًا۔ اور تعلیموں پر عمل نہ کیا اور اس سے
اپنا رشتہ کاٹ لیا۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے جو وہ آج بھگت رہے ہیں۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

پس سفر سے پہلے زادِ راہ کی فکر کر لو اور طوفان سے پہلے کشتی بنا لو کیونکہ سفر نزدیک ہے اور طوفان کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں۔ جن کے پاس زادِ راہ نہ ہو گا وہ بھوکے مریں گے اور جن کے پاس کشتی نہ ہو گی، وہ سیلاب میں غرق ہو جائیں گے۔ جب تم دیکھتے ہو کہ مطلع غبار آلود ہوا اور دن کی روشنی بدلیوں میں چھپ گئی تو تم سمجھتے ہو کہ برق و باراں کا وقت آگیا پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ دنیا کی امن و سلامتی کا مطلع غبار آلود ہو رہا ہے۔ دینِ الٰہی کی روشنی ظلمت کفر و طغیان میں چھپ رہی ہے۔ مگر تم یقین نہیں کرتے کہ موسم بدلنے والا ہے۔ اور تیار نہیں ہوتے کہ انسانی بادشاہتوں سے کٹ کر خدا کی بادشاہت کے مطیع ہو جاؤ۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا کے تختِ جلال کی منادی پھر بلند ہو اور اس کی زمین صرف اسی کے لئے ہو جائے ——————— حتی لاتکون فتنۃ و یکون الدین للّٰہ۔

آہ! ہم بہت سو چکے اور غفلت و سرشاری کی انتہا ہو چکی۔ ہم نے اپنے خالق سے ہمیشہ غرور کیا لیکن مخلوقوں کے سامنے کبھی بھی فروتنی سے نہ شرمائے۔ ہمارا وصف یہ بتلایا گیا تھا۔

اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ	مومنوں کے ساتھ نہایت عاجزو
اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ۔	نرم مگر کافروں کے مقابلہ میں

نہایت مغرور و سخت۔

ہمارے اسلاف کرام کی یہ تعریف کی گئی تھی کہ

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ	کافروں کے لئے نہایت سخت ہیں
رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔	پر آپس میں نہایت رحم والے اور مہربان!

پر ہم نے اپنی خوبیاں گنوا دیں اور دنیا کی مغضوب قوموں کی تمام برائیاں سیکھ لیں۔ ہم اپنوں کے آگے سرکش ہو گئے اور غیروں کے آگے ذلت سے جھکنے لگے۔ ہم نے اپنے پروردگار کے آگے دست سوال نہیں بڑھایا لیکن بندوں کے دستر خوان کے گرے ہوئے ٹکڑے چننے لگے۔ ہم نے شہنشاہ ارض و سما کی خداوندی سے نافرمانی کی۔ مگر زمین کے چند جزیروں کے مالکوں کو اپنا خداوند سمجھ لیا۔ ہم پورے دن میں ایک بار بھی خدا کا نام ہیبت اور خوف کے ساتھ نہیں لیتے، پر سینکڑوں مرتبہ اپنے غیر مسلم حاکموں کے تصور سے لرزتے اور کانپتے رہتے ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ	اے سرکش انسان کس چیز نے تجھے
بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ ۙ الَّذِیْ	اپنے مہربان اور محبت کرنے والے
خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ۙ	پروردگار کی جناب میں گستاخ کر
فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ۙ	دیا ہے؟ وہ کہ اُس نے تجھے
کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ۙ	پیدا کیا تیری ساخت درست کی

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِينَ ۙ
كِرَامًا كَاتِبِينَ ۙ يَعْلَمُونَ مَا
تَفْعَلُونَ ○ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۙ
وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۚ
يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ○ وَمَا
هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۗ وَمَا أَدْرَاكَ
مَا يَوْمُ الدِّينِ ○ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ
مَا يَوْمُ الدِّينِ ۗ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ
نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ
يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ ؏ (۸۲ $\frac{۶}{۱۹}$)

تیری خلقت کو اعتدال بخشا۔ اور جس صورت میں چاہا تیری شکل کی ترکیب کی۔ پھر یہ کس کی وفاداری ہے جس نے تجھے اُس سے باغی بنا دیا ہے؟ نہیں اصل یہ ہے۔ کہ تمہیں اس کی حکومت کا یقین ہی نہیں۔ حالانکہ تم پر اس کی طرف سے ایسے بزرگ نگران کار متعین ہیں جو تمہارے اعمال کا ہر آن احتساب کرتے رہتے ہیں۔ اور تمہارا کوئی فعل بھی ان کی نظر سے مخفی نہیں۔ یاد رکھو کہ ہم نے ناکامی اور کامیابی کی ایک تقسیم کر دی ہے۔ خدا کے اطاعت گزار بندے عزت و مراد اور فتح کامرانی کے عیش و نشاط میں رہیں گے۔ اور بدکار و نافرمان خدا کی بادشاہی کے دن نامرادی و ہلاکت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے جس سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔ یہ خدا کی بادشاہی کا دن کیا ہے۔؟ وہ دن جس میں کوئی کسی کے لئے کچھ نہ کر سکے گا۔ اور صرف خدا ہی کی اس دن حکومت ہوگی۔

اس سے پہلے کہ خدا کی بادشاہی کا دن نزدیک آئے کیا بہتر نہیں کہ اس کے لئے ہم اپنے تیئں تیار کر لیں؟ تاکہ جب اس کا مقدس دن آئے، تو ہم یہ کہہ کر نہ نکال دیئے جائیں کہ تم نے غیروں کی حکومت کے آگے خدا کی

حکومت کو بھلا دیا تھا۔ جاؤ کہ آج خدا کی بادشاہت میں بھی تم بالکل بھلا دیئے گئے ہو۔ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ۔

وَقِیْلَ الْیَوْمَ نَنْسٰکُمْ کَمَا	اور اس وقت ان سب سے کہا
نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا	جائے گا۔ کہ جس طرح تم نے اس دن
وَمَاْوٰکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ	کی حکومت الٰہی کو بھلا دیا تھا آج ہم
نّٰصِرِیْنَ ۰ ذٰلِکُمْ بِاَنَّکُمُ	بھی تم کو بھلا دیں گے۔ تمہارا ٹھکانا
اتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا	آگ کے شعلے ہیں۔ اور کوئی نہیں
وَّغَرَّتْکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاج	جو تمہارا مددگار ہو۔ یہ اس کی سزا ہے
فَالْیَوْمَ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا	کہ تم نے خدا کی آیتوں کی ہنسی اڑائی
وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ۰ (۴۵ ۳۴/۳۵)	اور دنیا کی زندگی اور اس کے کاموں

نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا۔ پس آج نہ تو عذاب سے تم نکالے جاؤ گے اور نہ ہی تمہیں اس کا موقع ملے گا۔ کہ توبہ و استغفار کرکے خدا کو منالو کیونکہ اس کا وقت تم نے کھو دیا۔

آج خدا کی حکومت اور انسانی بادشاہتوں میں ایک سخت جنگ بپا ہے۔ شیطان کا تخت زمین کے سب سے بڑے حصے پر بچھا دیا گیا ہے۔ اس کے گھرانے کی وراثت اس کے پوجنے والوں میں تقسیم کر دی گئی ہے اور دجال کی فوج ہر طرف پھیل گئی ہے۔ یہ شیطانی بادشاہتیں چاہتی ہیں کہ خدا کی حکومت کو نیست و نابود کر دیں۔ ان کی داہنی جانب دنیوی لذتوں اور عزتوں کی ایک ساحرانہ جنت ہے اور بائیں جانب جسمانی تکلیفوں اور عقوبتوں کی ایک کھائی

دینے والی جہنم بھڑک رہی ہے۔ جو فرزند آدم خدا کی بادشاہت سے انکار کرتا ہے، یہ دجال کفر وظلمت اس پر اپنی سادو کی جنت کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ کہ حق پرستوں کی نظر میں فی الحقیقت خدا کی لعنت اور پھٹکار کی جہنم ہے۔ لٰبِثِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَحۡقَابًا، لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡهَا بَرۡدًا وَّلَا شَرَابًا اور جو خدا کی بادشاہت کا اقرار کرتے ہیں ان کو اپنی ابلیسی عقوبتوں اور جسمانی سزاؤں کی جہنم میں دھکیل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ——————
حرقوه وانصروا آلهتکم —————— مگر فی الحقیقت سچائی کے عاشقوں اور راست بازی کے پرستاروں کے لئے وہ جہنم جہنم نہیں ہے۔ لذتوں اور راحتوں کی ایک جنت النعیم ہے کیونکہ لسان ایمان والیقان کی صدا یہ ہے کہ :—

فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ،	اے دنیوی سزاؤں کی طاقت پر
اِنَّمَا تَقۡضِیۡ هٰذِهِ الۡحَیٰوةَ	مغرور ہونے والے بادشاہ تو
الدُّنۡیَا ؕ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا	جو کچھ کرنے والا ہے کر گزر! تو
لِیَغۡفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا (۲۰ ۷۲/۷۳)	صرف دنیا کی اس زندگی اور گوشت

اور خون کے جسم پر ہی حکم چلا سکتا ہے۔ بس چلا دیکھ! ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں۔ تاکہ ہماری خطاؤں کو معاف کرے تیری دنیاوی سزائیں ہمیں اس کی راہ سے باز نہیں رکھ سکتیں۔

جب کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور زمین کے ایک خاص ٹکڑے ہی میں نہیں بلکہ اس کے ہر گوشے میں آج بھی مقابلہ جاری ہے تو بتلاؤ پرستاران

دینِ حنیفی ان دجاجلۂ کفر و شیطنت اور اس حکومت وامرِ الٰہی میں سے کس کا ساتھ دیں گے ——— ؟ کیا اُن کو اس آگ کے شعلوں کا ڈر ہے جو دجّال کی حکومت اپنے ساتھ ساتھ سلگاتی آتی ہے لیکن کیا اُن کو معلوم نہیں کہ اُن کا مورثِ اعلےٰ کون تھا ؟ دینِ حنیف کے اوّلین داعی نے بابل کی ایک ایسی ہی سرکش حکومت کے مقابلے میں خُدا کی حکومت کو ترجیح دی اور اُسے آگ میں ڈالنے کے لئے شعلے بھڑکائے گئے پر اُس کی نظر میں ہلاکت کے وہ شعلے گلزارِ بہشت کے شگفتہ پھُول تھے ———

——— قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ

(۲۱ — ۶۹)

کیا اُن کے دل میں دنیوی لذّتوں اور عزّتوں کی اس جھوٹی جنّت کی طمع پیدا ہو گئی ہے جس کے فریبِ باطل سے یہ جنودِ شیطانی انسانی روح کو فتنہ میں ڈالنا چاہتی ہے ——— ؟ اگر ایسا ہے تو کیا اُنہیں خبر نہیں کہ مصر کا بادشاہ حکومتِ الٰہی کا منکر ہو کر اپنی عظیم الشان گاڑیوں اور بڑی بڑی رتھوں سے اور اس ملک سے جس پر اُسے ——— "ربِّ اعلےٰ" ہونے کا گھمنڈ تھا، کتنے دن متمتّع ہو سکا ———

——— ؟

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا	فرعون ارضِ مصر میں بہت ہی
فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ	بڑھ چڑھ کر نکلا تھا۔ اس
اَھْلَھَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ	نے ملک کے باشندوں میں

طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ
اَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ
نِسَاءَهُمْ اِنَّهُ كَانَ
مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ٥ وَ
نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى
الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي
الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ
اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ
الْوَارِثِيْنَ ٥ وَنُمَكِّنَ
لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ
فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَ
جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ (۲۸ ۴/۲)

تفریق کرکے الگ الگ گروہ
قرار دے رکھے تھے۔ ان میں
سے ایک گروہ نے بنی اسرائیل
کو اس قدر کمزور اور بے بس
سمجھ رکھا تھا۔ کہ اُن کے
فرزندوں کو قتل کرتا اور ان
کے اعراض وناموس کو برباد
کرتا۔ اس میں شک نہیں
کہ وہ زمین کے مفسدوں
میں سے بڑا ہی مفسد تھا لیکن
بایں ہمہ ہمارا فیصلہ یہ تھا کہ
جو قوم اس کے ملک میں سب
سے زیادہ کمزور سمجھی گئی تھی۔

اسی پر احسان کریں۔ اسی قوم کے لوگوں کو وہاں کی سرداری وریاست بخشیں۔ انہی کو وہاں کی سلطنت کا وارث بنائیں۔ اور انہیں کی حکومت کو تمام ملک میں قائم کرادیں۔ اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ فرعون وہامان اور اس کے لشکر کو جس ضعیف قوم کی طرف سے بغاوت و خروج کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اسی کے ہاتھوں ان کے ظلم واستبداد کا نتیجہ ان کے آگے آئے۔

مسلمانو! کیا متاع آخرت بیچ کر دنیا کے چند خزف ریزوں پر قناعت کی خواہش ہے؟ کیا اللہ کی حکومت سے باغی رہ کر دنیا کی حکومتوں سے صلح کرنے کا ارادہ ہے؟ کیا نقدِ حیاتِ ابدی بیچ کر معیشت چند روزہ کا سامان کر رہے ہو؟ کیا تمہیں یقین نہیں کہ:۔

مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ۔

یہ دنیا کی زندگی (جو تعلق الٰہی سے خالی ہے۔) اس کے سوا اور کیا ہے۔ کہ فانی خواہشوں کے بہلانے کا ایک کھیل ہے؟ اصلی زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے۔ جس کے لئے اس زندگی کو تیار کرنا چاہیئے۔

اگر تم صرف دنیا کے طالب ہو، جب بھی اپنے خدا کو نہ چھوڑو کیونکہ وہ دنیا و آخرت دونوں بخشنے کے لئے تیار ہے۔ تم کیوں صرف ایک ہی پر قناعت کرتے ہو؟

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ (۴-۱۳۴)

اور جو شخص دنیا کی بہتری کا طالب ہے اس سے کہہ دو کہ صرف دنیا ہی کے لئے کیوں ہلاک ہوتا ہے؟ حالانکہ خدا تو دین اور آخرت دونوں کی بہتری دے سکتا ہے۔ وہ خدا کے پاس آئے اور آخرت کے ساتھ دنیا کو بھی لے۔

مسلمانو! پکارنے والا پکار رہا ہے کہ اب بھی خدائے قدوس کی

سرکشی ونافرمانی سے باز آجاؤ اور بادشاہ ارض وسمار کو اپنے سے روٹھا ہوا نہ چھوڑو۔ جس کے روٹھنے کے بعد زمین وآسمان کی کوئی ہستی بھی تم سے من نہیں سکتی! اس سے بغاوت نہ کرو۔ بلکہ دنیا کی تمام طاقتوں سے باغی ہوکر صرف اسی کے وفادار ہو جاؤ۔

پھر کوئی ہے جو اس آواز پہ کان دھرے ؟ فھل من مستمع ؟

آسمانی بادشاہت کے ملائکہ مکرمین اور قدوسیان مقربین اپنے نورانی پروں کو پھیلائے ہوئے اس راست باز روح کو ڈھونڈ رہے ہیں، جو مخلوق کی بادشاہت کو چھوڑ کر خالق کی حکومت میں بسنا چاہتی ہے۔ کون ہے، جو اس پاک مسکن کا طالب ہو اور پاک باز روحوں کی طرح پکار اٹھے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا	اے ہمارے حقیقی بادشاہ ہم
مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ	نے ایک پکارنے والے کی
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا	آواز سُنی جو تیری بادشاہت
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا	کی آواز دے رہا تھا۔ اے
وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا	ہمارے ایک ہی بادشاہ! ہم
مَعَ الْاَبْرَارِ ہ رَبَّنَا وَاٰتِنَا	نے تیری بادشاہت قبول کی۔
مَاوَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ	پس ہمارے گناہ معاف کر!
وَلَاتُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ط	ہمارے عیوب پر پردہ ڈال!
اِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ہ	اپنے نیک بندوں کی معیت

میں ہمارا خاتمہ کر تو نے اپنے منادی کرنے والوں کی زبانوں سے جو وعدے کئے تھے وہ پورے کر اور اپنی آخری بادشاہت میں ذلیل و خوار نہ کر کہ تو اپنے وعدوں سے کبھی نہیں ٹلتا۔

أَوْلِيَاءُ اللهِ وَأَوْلِيَاءُ الشَّيْطَانِ

اگر لوگ اللہ کی دوستی کی راہ چھوڑ کر الگ ہو جائیں تو اسلام کا
کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ خدا ایک دوسری جماعت سچے مومنوں
اور اپنے دوستوں کی پیدا کر دے گا جن کی ولایت الٰہی اور
محبت ربّانی یہاں تک بڑھی ہوگی کہ وہ اللہ کے چاہنے والے
ہوں گے اور اللہ اُن سے پیار کرے گا۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ

قرآن حکیم کے تدبر و مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق و باطل، ایمان و کفر، نور و ظلمت، تعلق علوی و رشتہ سفلی اور اعمال صالحہ و کاروبار مفسدہ وغیرہ کے اختلاف کے اعتبار سے دو بالکل متضاد اور مخالف گروہ دنیا میں ہمیشہ سے ہوتے چلے آئے ہیں اور جب کبھی حق و باطل کا معرکہ گرم ہوتا ہے، تو انہیں دو جماعتوں کی قطاریں ایک دوسرے کے مقابل میں صف آرا ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم نے مختلف ناموں سے ان دونوں جماعتوں کا ذکر کیا ہے اور جا بجا ان کے آثار و علائم اور خواص و اعمال کی تشریح کی ہے۔

مثلاً ۳۲ سے زیادہ مقامات میں ایک ایسی جماعت کا ذکر کیا ہے، جس نے اپنے دلوں کو حق کے قبول کے لئے مستعد کر لیا ہے۔ اور جو اپنی تمام قوتوں اور تمام جذبوں سے اللہ اور اس کی صداقت کو چاہنے والی اور پیار کرنے والی ہے اور اس لئے اللہ نے بھی اسے اپنا دوست

بنالیا ہے۔
اس جماعت کو "اولیاراللہ" کے لقب سے پکارا گیا ہے یعنی وہ خُدا کے دوست ہیں اور اس کے چاہنے والوں کے گروہ میں داخل ہیں۔
چنانچہ سورۂ بقرہ میں فرمایا:۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی (دوست)
یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ	ہے۔ وہ انہیں تاریکی سے نکال
اِلَی النُّوْرِ (۲-۲۵۷)	کر روشنی میں لاتا ہے۔
وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (۳-۶۸)	اور اللہ مومنوں کا ولی یعنی دوست ہے۔

سورۂ جاثیہ میں متقین کہا:۔

وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ	اللہ متقی انسانوں کا ولی ہے۔

سورہ اعراف میں صالحین کہا:۔

وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ (۷-۱۹۶)	اللہ صالح انسانوں کا دوست ہے۔

اولیاراللہ کی پہچان

سورۂ جمعہ میں اس گروہ کی ایک آزمائش بتلائی جس میں پڑ کر معلوم ہو جائے گا کہ کون اولیاراللہ میں سے ہے اور کون اولیاء الشیطان میں سے ـــــ!

قُلْ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اِنْ	اے پیغمبر یہودیوں سے کہہ دو
زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ	کہ اگر تم کو اس بات کا دعویٰ ہے
مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا	کہ تمام بندوں میں سے تم ہی

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	اللہ کے ولی اور دوست ہو

تو اس کی آزمائش یہ ہے۔ کہ خُدا کی راہ میں موت کی آرزو کرو۔ اگر تم سچے ہو گے تو ضرور ایسا ہی کرو گے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے دوستوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ جب انہیں جان دینے اور زندگی اور اس کی لذتوں سے دست بردار ہو جانے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ لبیک کہتے ہوئے اس طرح دوڑتے ہیں، گویا بھوکوں کو غذا کی اور پیاسوں کو پانی کی پکار سنائی دی۔ پر جو جھوٹے ہیں، وہ اللہ کی ولایت سے محروم، وہ انکار کر دیتے ہیں اور یہ اُن کے جھوٹے ہونے کی مہر ہے، جو خود اُنہوں نے اپنے اوپر لگا دی ہے۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا	اور یہ اللہ اور اس کی صداقت
قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ	کی دوستی کا جھوٹا دم بھرنے والے
عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ۔	کبھی بھی موت کی تمنّا کرنے والے

نہیں۔ کیونکہ انہوں نے ایسے کام کئے ہیں۔ جو انہیں موت کے تصور سے ڈراتے ہیں اور زندگی کی مہلت کو غنیمت سمجھے ہوئے ہیں۔

موت کی تمنّا سے مقصود ہرگز یہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی موت کو پکارے اور اس کے لئے التجا کرے۔ اللہ کا مقصود اس سے یہ تھا کہ سچے اور جھوٹے آدمی کی پہچان کے لئے ایک کسوٹی دے دے۔ پس فرمایا کہ اگر خدا کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو۔ یعنی اُس کے لئے اور اُس کے کلمۂ حق

کے لئے ایسے کاموں میں پڑو جن میں جان دینے، اپنا خون بہانے، اپنے جسم کو طرح طرح کی مہلک مشقتوں میں ڈالنے اور زندگی کے عیش و نشاط سے محروم ہونے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد پھر خود ہی فیصلہ کیا کہ یہ کام اولیاء اللہ کا ہے۔ اولیاء الشیطان کبھی بھی ایسا نہیں کریں گے کیونکہ یہ موت کے نام سے ڈرتے اور کانپتے ہیں اور زندگی کے عیش میں پاگل ہو گئے ہیں۔

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي	ان سے کہہ دو کہ اے نفس پرستو
تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ	جس موت سے کہ تم اس قدر
ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ	بھاگتے ہو وہ کچھ تمہیں چھوڑ نہ
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا	دے گی۔ ایک دن ضرور ہی
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۶۲-۸)	آئے گی۔ پھر تم اسی خدا کی طرف

لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے۔

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

سورہ یونس میں ان کی ایک بہت بڑی علامت یہ بتلائی کہ ان کے لئے خوف اور غم نہ تو دنیا میں ہوتا ہے اور نہ آخرت میں۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ	یاد رکھو اولیاء اللہ پر نہ تو کسی طرح
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ	کا ڈر اور خوف طاری ہوگا۔ اور نہ
الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۚ	وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ
لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ	ہیں۔ کہ اللہ پر سچی روحوں کی طرح

الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ط لَا	ایمان لائے اور اپنے اعمال میں
تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ط ذَالِكَ	اس کا خوف پیدا کیا۔ پس اُن کے
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ط (۱۰-۶۴)	لئے دُنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے

اور آخرت میں بھی۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ اور اللہ کے کلمات میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ انسان کے لئے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

دَارُ السَّلَامْ

سورۂ انعام میں ان اربابِ حق کا ذکر کیا جن کے دلوں کو خدا نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے۔ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ اور جوان لوگوں کے مقابلے میں ہیں جن کے دل فشار کفر وضلالت سے اس قدر تنگ ہو گئے ہیں کہ اب ان کا انشراح روحانی ہو ہی نہیں سکتا۔ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا۔ اس کے بعد اوّل الذکر جماعت کے لئے بشارت دی۔

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ	ان کے پروردگار کے پاس اُن
رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا	کے لئے امن وسلامتی کا گھر
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۶-۱۲۷)	ہے۔ اور ان کے نیک عملوں

کے صلے میں وہی ان کا ولی ہے۔

قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

سورۂ حٰم سجدہ میں ان مومنین کاملین کا حال بیان کیا ہے جنہوں نے پہلے مقامِ عبودیت واعترافِ ربوبیت حاصل کیا۔ پھر مقامِ استقامت وثبات

عمل و ایمان تک مرتفع ہوئے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اُن کی نسبت فرمایا کہ تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یعنی ایسے صاحبانِ استقامت وکاملین پر نزول ملائکہ ہوتا ہے، جو طمانیت اور سکینت و بے خوفی و بے غمی کا مقام اُن پر طاری کر دیتے ہیں۔ جس نعمت جنّت کا وعدہ کیا گیا ہے اُس کی انہیں بشارت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:-

نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ	ہم تمہارے مددگار ہیں دنیا میں
الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ج وَلَكُمْ	بھی اور آخرت میں بھی اور تمہیں
فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ	اس حیات بہشتی میں ہر طرح کا
وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ؕ	اختیار اور حکم بخش دیا گیا ہے۔
نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ؕ	جس چیز کو تمہارا جی چاہے تمہارے
وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ	لئے مہیا ہے اور جو نعمت اللہ
دَعَآ اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا	سے مانگو گے تمہیں عطا ہوگی۔ یہ
وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝	مقام تمہیں غفور الرحیم کی طرف

سے عطا ہوا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر اور کس کی بات ہو سکتی ہے۔ جو اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور اعمال صالحہ اختیار کرے۔ نیز کہے کہ میں مسلم ہوں۔

اَوْلِیَآءُ الشَّیْطَان

لیکن اس جماعت کے مقابلے میں ایک دوسری جماعت ہے جو اپنے

خواہش و اعمال میں بالکل اس کی ضد اور مخالف واقع ہوئی ہے۔ قرآن کریم اُسے "اولیاء الشیطان" سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام قوتیں جو تعلق الٰہی اور رشتۂ حق و صداقت کے مخالف ہیں شیطانی قوت ہیں اور ان میں ہر قوت اور عمل شیطان لعین کا ایک مظہر خبیث ہے۔ پس جو لوگ حق و عدالت کی راہ روشن سے ہٹ کر اعمال باطلہ کی تاریکی میں گم ہو گئے ہیں اور اللہ کا رشتہ اُن کے ہاتھوں میں نہیں ہے، وہ خواہ کسی حال اور کسی شکل میں ہوں، لیکن درحقیقت شیطان کے ولی، اُس کے پرستار، اُس کی نسل کے چاکر اور اُس کی بادشاہت کے غلام ہیں یہی وہ شیطان کی ولایت اور پرستش ہے، جس کے متعلق بنی آدم سے ربوبیت الالٰہیہ نے عہد لیا تھا۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ	اے اولادِ آدم۔ کیا ہم نے تمہیں
اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ج	تاکید نہیں کر دی تھی۔ کہ شیطان
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝	کی پوجا نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا
وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ط هٰذَا صِرَاطٌ	دشمن ہے۔ اور یہ کہ صرف
مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (۳۶ - ۵۹)	ہماری ہی بندگی کرنا، یہی انسان
	کے لئے سیدھا راستہ ہے۔

چنانچہ سورۂ اعراف میں صاف صاف اس کی تصریح کی :-

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ	خدا نے دو فرقوں میں سعادت
عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ط اِنَّهُمُ	و شقاوت کو تقسیم کر دیا۔ اُس نے

اِتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ — ایک جماعت کو ہدایت دی
مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَیَحْسَبُوْنَ — ہے۔ اور ایک فریق ہے کہ
اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ۝ — گمراہی اس پر چھاگئی ہے۔ یہ

وہ لوگ ہیں۔ (یعنی دوسری جماعت کے گمراہ) کہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا ولی بنالیا ہے۔ اور با ایں ہمہ اس زعم باطل میں گرفتار ہیں کہ وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔

اسی سُورت میں اس سے کچھ پہلے ایمان و مومنین کے مقابلہ میں "اولیاء الشیطان" کا ذکر کیا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ — ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا
لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ۝ — ولی یعنی آشنا و ہمدم بنادیا ہے

جو ایمان سے محروم ہیں۔

معرکۂ قتال و جدال

پس اس آیت سے صاف صاف ہمارا استدلال واضح ہوگیا یعنی دو فرقے ہیں جن میں سے ایک کو خدا نے اولیاء اللہ کے نام سے پکارا اور دوسرے کی نسبت تصریح کی کہ اس نے شیطان کو اپنا ولی بنا لیا ہے۔

سورۂ کہف میں شیطان کا ذکر کرکے فرمایا:۔

اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗٓ — آیا تم ہم کو چھوڑ کر شیطان کو اور
اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَھُمْ لَکُمْ — اس کی نسل کو اپنا ولی بناتے ہو
عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا — حالانکہ وہ تمہارا دشمن ہے ظالموں

کے لئے یہ کیا ہی بُرا بدلہ ہے کہ وہ خدا کی جگہ نسلِ شیطانی کے ماتحت آ گئے ہیں۔

پس ایک طرف تو اولیاء اللہ ہیں اور دوسری طرف اولیاء الشیطان۔ اولیاء الشیطان کے بھی مختلف مدارج ومراتب ہیں۔ آخری مرتبہ درجۂ کفر ہے اور اس کا سب سے بڑا اصل واشقیٰ گروہ "الکافرین" کا ہوتا ہے۔ یہ دونوں جماعتیں ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا رہتی ہیں اور باہم معرکۂ جنگ وقتال گرم رہتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ج وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ (۴-۷۶)	پس جو لوگ مومن اور اللہ کے ولی ہیں، وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ مگر جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ "طاغوت" کی راہ میں لڑنے کے لئے نکلتے ہیں۔

طاغوت

"طاغوت" سے مراد بھی قوتِ ابلیسی وشیطانی اور اس کے مختلف مظاہر ہیں۔ خواہ وہ پتھر کے بُت ہوں یا بولنے والے انسان۔ اسی لئے سورۂ بقر کی آیت کریمہ میں اولیاء اللہ کا ذکر کر کے اولیاء الشیطان کی نسبت فرمایا کہ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ۔ جن لوگوں نے حق سے انکار کیا، اُن کا دوست اور ولی خدا نہیں ہے، طاغوت ہیں۔

حکمِ قتال

غرض کہ پہلی جماعت اللہ کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنے کے لئے نکلتی ہے اور دوسری جماعت شیطان کی راہ میں جنگ و قتال کرنے کے لئے:۔

فَقَاتِلُوٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ — پس اولیاء الشیطان کو قتل کرو۔
اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ — تاکہ دُنیا ظلم و فساد سے نجات
ضَعِیْفًا ۝ (۴-۷۶) — پائے اور صرف اللہ کے لئے ہو

جانے شیطان کے مکروفریب خواہ کتنے ہی مہیب وڈراؤنے نظر آئیں تاہم یقین کرو کہ اولیاء اللہ کے مقابلے میں بالکل کمزور وضعیف ہیں۔

اگر ان تمام آیتوں کو جمع کیا جائے جن میں ان متضاد اور مخالف دو جماعتوں کے خواص و اعمال کا اور ان کی پہچان کی نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے تو مضمون اس قدر بڑھ جائے کہ اصل مطلب کی گزارش کی نہیں معلوم کتنی اشاعتوں کے بعد نوبت آئے۔ پس نہایت اختصار سے کام لوں گا۔ اور صرف اشاراتِ موجزہ پر اکتفا کروں گا۔

مَا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا

ازاں جملہ اس جملہ جماعت کا ایک خاصہ یہ ہے کہ جب کبھی اولیاء اللہ اُسے برائیوں سے اور معصیتوں سے روکتے ہیں تو وہ کہتی ہے کہ:۔

وَجَدْنَا عَلَیْھَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰہُ — ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق
اَمَرَنَا بِھَا ط قُلْ اِنَّ اللّٰہَ لَا — پر پایا۔ اور اسی کا ہمیں حکم دیا گیا۔

يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥
(۷-۲۸)

ہے۔ اس کے جواب میں ان گمراہوں سے کہہ دو۔ کہ خدا نے کبھی بھی اپنے بندوں کو برائیوں اور فواحش کا حکم نہیں دیا۔ کیا تم اللہ کی نسبت وہ باتیں کہتے ہو جنہیں نہیں جانتے۔

خسرانِ عاقبت

اولیاء الشیطان کی ایک بہت بڑی علامت یہ بھی ہے کہ کامیابی و فلاح انہیں نصیب نہ ہوگی اور عاقبت کا رگھاٹے ہی میں رہیں گے۔

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ
وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ
خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا يَعِدُ
هُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا
يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ
اِلَّا غُرُوْرًا ٥

اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنایا، تو یقیناً بڑے ہی سخت گھاٹے میں پڑا شیطان اپنے دوستوں اور پجاریوں سے طرح طرح کے وعدے کرتا اور بڑی بڑی امیدیں دلاتا ہے لیکن یاد رکھو کہ شیطان جو کچھ وعدے کرتا ہے اُن میں دھوکے اور فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تخویفِ شیطانی

شیطان اپنے ولیوں اور پجاریوں کے ذریعہ اللہ کے ولیوں اور پرستاروں کو ہمیشہ ڈراتا اور دھمکاتا رہتا ہے۔ مگر مومنوں کے لئے کوئی

خوف نہیں۔

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَٰنُ	بے شک یہ شیطان تھا جس کا
يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ فَلَا	قاعدہ ہے کہ اللہ کے دوستوں
تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ	کو اپنے دوستوں کی جماعت کا
إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ	ڈراوا دکھلاتا ہے۔ مگر اے مسلمانو!
(۳-۱۷۵)	تم اس سے ذرا بھی نہ ڈرنا۔ اگر تم

سچے مسلمان ہو تو بس ہماری ہی حکومت کا خوف کرو۔

يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَٰتِ

ایک بہت بڑا فرق حالت یہ بھی ہے کہ اولیاء اللہ ایسے عہد میں ہوتے ہیں، جب کہ حق اور سچائی محدود، مگر باطل اور فساد عام ہوتا ہے اور گمراہی کی تاریکی اس طرح پھیل جاتی ہے کہ کوئی گوشہ بھی پوری طرح روشن اور منوّر نہیں ہوتا۔ ایسی ہی سوسائٹی اور اسی طرح کے گردوپیش میں وہ پرورش پاتے ہیں اور اپنی خیالات کو آنکھیں کھول کر ہر طرف دیکھتے ہیں۔ اُن کے سامنے جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی یکسر گمراہی ہوتی ہے۔ اُن کے کان جو کچھ سنتے ہیں، اس میں بھی ضلالت ہی کی صدا اٹھتی ہے اور دماغ و فکر جو کچھ سوچتا ہے، اس کا سامان بھی سرتاسر گمراہی و باطل ہی کے واسطے سے میسر آتا ہے۔

لیکن جب کہ وہ اس طرح چاروں طرف پھیلی ہوئی اندھیاری میں گھرے ہوتے ہیں تو یکایک خدا کا ہاتھ چمکتا ہے اور انہیں گمراہی سے نکال کر حق

وہدایت کے اُجالے میں لے آتا ہے ۔ اُن کی ہدایت کی مثال بالکل ایسی ہوتی ہے، جیسے کوئی معذور آدمی اندھیری رات میں ٹھوکروں سے قریب اور غاروں کے کنارے کھڑا ہو اور اندھوں کی طرح دیکھنے اور چلنے سے معذور ہو گیا ہو۔ اتنے میں ایک واقف راہ اور باخبر ہاتھ ظاہر ہوکر اُس کا ہاتھ تھام لے اور ٹھوکروں سے بچاتے ہوئے اور گڑھوں اور غاروں سے نگرانی کرتے ہوئے ایک سیدھے اور محفوظ شاہراہ سے منزل مقصود تک پہنچا دے ——— یا یوں سمجھنا چاہئے کہ جب کہ گمراہی اور باطل پرستی کی رات آنکھوں کو اندھا اور بصارت کو بے فائدہ کر دیتی ہے تو اس وقت حق تعالیٰ اپنے دوستوں کے لئے ہدایت کا سورج چمکا دیتا ہے اور اُن کے دلوں کا اس کی روشنی کے اخذ و انعکاس کے لئے انشراح کر دیتا ہے۔

لیکن جو لوگ قوائے الٰہیہ کی جگہ قوائے شیطانیہ کو اپنا مولیٰ و آقا بناتے ہیں اور شیطان کے عاشقوں اور پیار کرنے والوں کے جرگے میں شامل ہو جاتے ہیں ۔ سو ان کی حالت ان لوگوں کے برعکس ہوتی ہے ۔ پہلی جماعت تاریکی سے نکل کر روشنی میں آتی ہے ۔ پر یہ جماعت روشنی سے نکال کر تاریکی میں ڈالی جاتی ہے ۔ پہلی جماعت کی اصلی اور ابتدائی حالت تاریک ہوتی ہے ۔ مگر اللہ انہیں سعادت وہدایت کی نورانیت میں نکال لاتا ہے ۔ دوسری جماعت کے لئے ابتدا میں ہدایت وسعادت موجود ہوتی ہے لیکن بعد کو شیطان سعادت سے نکال کر شقاوت میں دھکیل دیتا

ہے۔ چنانچہ سورۂ بقر کی آیت کریمہ اوپر گزر چکی ہے۔ اُن کے لفظوں پر غور کرو۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اللہ مومنوں کا دوست اور ولی
یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ	ہے وہ انہیں تاریکی سے نکال
اِلَی النُّوْرِ ۃ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا	کر روشنی میں لاتا ہے۔ مگر جن
اَوْلِیٰٓئُھُمُ الطَّاغُوْتُ لا	لوگوں نے راہ کفر اختیار کی ان
یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ	کے دوست طاغوت ہیں۔ جو
اِلَی الظُّلُمٰتِ ط (۲-۲۵۷)	انہیں اللہ کی روشنی سے نکال

کر شیطان کی اندھیاری میں ڈالتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی نسبت کہا کہ یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ اور اولیاء الشیطان کے لئے کہا یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ۔

وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ

ایک علامت اُن کی یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے زعم باطل میں اپنے تئیں حق و ہدایت پر سمجھتے ہیں۔ اس کا اُنہیں بڑا دعوے ہے اور بڑا ہی گھمنڈ۔ حالانکہ وہ ہدایت سے اس قدر دُور ہوتے ہیں جس قدر باوجود اتصال کے روشنی سے تاریکی:—

اَنَّھُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ	انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانی
اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ	قوتوں کو اپنا دوست بنالیا ہے
وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ؕ	باایں ہمہ اس زعم باطل میں گرفتار

ہیں کہ وہی راہ ہدایت پر ہیں۔

وحی شیطانی

شیاطین ہمیشہ اپنے اولیاء پر وحی کرتے رہتے ہیں تاکہ خدا کے دوستوں سے شیطانی الہامات کے مطابق بحث وجدل کرسکیں اور انہیں اللہ کی بادشاہت سے نکال کر شیطانی حکومتوں میں داخل ہونے کی ترغیب دیں۔

وَاِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ	اور شیاطین اپنے ولیوں کی طرف
اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـئِهِمۡ لِیُجَادِلُوۡكُمۡ ۚ	وحی کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ
اِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ	تمہارے ساتھ شیطانی القا کے
لَمُشۡرِكُوۡنَ ۝ (۶-۱۲۲)	بموجب بحث وجدل کریں۔

لیکن اگر تم نے ان کی باتوں کی اطاعت کرلی تو جان رکھو۔ کہ پھر تمہارا شمار بھی مشرکوں میں ہوگا۔

حزب اللہ وحزب الشیطان

قرآن کریم ان دو جماعتوں کو ایک دوسری اصطلاح سے بھی موسوم کرتا ہے۔ سورۂ مائدہ میں مسلمانوں کو اس سے منع کیا ہے کہ اللہ اور اس کی شریعت کے مقابلے میں یہود و نصاریٰ کو اپنا ولی بنائیں۔ لَا تَتَّخِذُوا الۡيَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوۡلِيَآءَ ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر لوگ اللہ کی دوستی کی راہ چھوڑ کر الگ ہوجائیں تو اسلام کے کاموں کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ خدا ایک دوسری جماعت سچے مومنوں اور اپنے دوستوں کی

پیدا کر دے گا۔ جن کی ولایت الہٰی اور محبت ربانی یہاں تک بڑھی ہو گی کہ وہ اللہ کے چاہنے والے ہوں گے اور اللہ اُن سے پیار کرے گا۔ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔ پھر کہا کہ :۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ	مسلمانو! تمہارا دوست اللہ اور
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ	اس کا رسول ہے۔ اور وہ مومن
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ	جو ایمان لا چکے ہیں۔ جو صلوٰۃ الہٰی
الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝	کو دنیا میں قائم کرتے ہیں۔ جو
وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ	ہیں۔ اور جو ہر وقت اللہ اور
اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (۵ ۵۵/۵۶)	اس کے حکموں کے آگے جھکے

رہتے ہیں۔ پس جو شخص اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کا دوست و ولی ہو کر رہے گا۔ وہ "حزب اللہ" میں سے ہے۔ اور یقین کرو۔ کہ "حزب اللہ" کے لوگ غالب ہونے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ کے ولی اور اُس کے دوست ہیں۔ اُن کا ایک نام لسان اللہ الحکیم میں "حزب اللہ" بھی ہے حزب کہتے ہیں گروہ اور جماعت کو۔ حزب اللہ سے مقصود وہ لوگ ہوئے، جو اللہ کی جماعت ہیں۔

چنانچہ سورۂ حشر میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی محبت کی راہ میں دنیا کے تمام رشتوں کی کچھ پروا نہ کریں حتیٰ کہ ماں باپ اور عزیز و اقربا کی محبت اور

دامن گیری کو بھی ہیچ سمجھیں اور خدا کی پکار جب اُن کے کانوں میں پڑ جائے تو سب کو چھوڑ چھاڑ کر اُسی کی طرف دوڑ جائیں، تو ایسے لوگ "حزب اللہ" ہیں ———،

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا — یہی لوگ حزب اللہ ہیں۔ سن
إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ — رکھو، کہ یقیناً حزب اللہ ہی کے
الْمُفْلِحُونَ ۝ (۵۸-۲۲) — افراد فلاح پانے والے ہیں۔

جس طرح اولیاء اللہ کا ایک نام یا ایک درجہ "حزب اللہ" ہے، اسی طرح "اولیاء الشیطان" کا بھی دوسرا نام "حزب الشیطان" ہے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ — شیطان اور اس کی قوتیں ان پر
الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ — مسلط ہو گئی ہیں۔ پس انہوں نے
ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ — خدا کے ذکر اور رشتے کو فراموش
الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ — کر دیا ہے۔ یہی لوگ "حزب الشیطان"
الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (۵۸-۱۹) — ہیں۔ اور جان رکھو کہ "حزب الشیطان"

کے لئے آخر کار نقصان اور خسران ہی ہے۔

اصحاب النار و اصحاب الجنۃ

اور یہی وہ دو جماعتیں ہیں جن کو صدہا مقامات میں "اصحاب النار" اور "اصحاب الجنۃ" کے لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ اور ان کے اعمال و خواص کی جا بجا توضیح کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ والی آیت کو ایک بار اور پڑھو اور اس کے بقیہ ٹکڑے کے الفاظ پر غور کرو۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ لَا يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲-۲۵۷)

اور جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی۔ سو ان کے اولیاء طاغوت ہیں۔ جو انہیں نور و ہدایت سے نکال کر ظلمات ضلالت میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اصحاب النار ہیں۔ اور ہمیشہ دوزخی عذابوں میں رہیں گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے اولیا و سردار "طاغوت" ہوں (طاغوت سے مراد بھی شیطان اور اس کے خلفاء و مظاہر ہی ہیں) تو ایسے لوگ اصحاب النار ہیں۔ کیونکہ ان کی زندگی ہمیشہ آگ میں جلتے رہنے کی اور سوختنی ہوگی۔ روح کی راحت اور دل کا سکھ انہیں نصیب نہ ہوگا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔

اس آیت کریمہ میں خاص طور پر اولیاء اللہ کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ پس فی الحقیقت وہی اصحاب الجنۃ بھی ہیں۔ کیونکہ ان کی حیات دنیوی و دینی، جسمی و روحی، ظاہری و معنوی ہر حال اور عہد و دور میں کامیابیوں فتح مندیوں، آرام و راحت، نعائم و لذائذ اور عیش و نشاط کی زندگی ہوگی۔

اعمال و خصائص

سورۂ یونس میں اصحاب الجنۃ و اصحاب النار کی تعریف پوری وضاحت

کے ساتھ بتلادی ہے۔ اور یہ بھی واضح کردیا ہے کہ دونوں جماعتوں کے اعمال کیسے ہیں اور کن نتائج کی بنا پر ایک کو جنت والوں کی اور ایک کو ناروالوں کی زندگی ملتی ہے۔

الَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی	اور جن لوگوں نے دنیا میں اچھے
وَزِیَادَۃٌ وَّلَا یَرْهَقُ	اور بھلائی کے کام کئے انہیں
وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّۃٌ	نیک کاموں کے بدلے میں
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ	ویسی ہی بھلائی اور فلاح ملے
هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ہ	گی۔ بلکہ ان کے حق سے بھی

زیادہ ملے گی۔ ان کو کبھی بھی ناکامی کا غم، شکست کی رسوائی اور نامرادی وتذلیل کی ذلت پیش نہ آئے گی۔ یہی لوگ اصحاب الجنۃ ہیں۔ جو ہمیشہ زندگی میں رہیں گے۔ اس کے بعد دوسرے گروہ کی حالت بتلائی۔

وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ	اور جن لوگوں نے دنیا کے کاموں
جَزَآءُ سَیِّئَۃٍۢ بِمِثْلِهَا وَتَرْ	میں برائی حاصل کی۔ اور بدی کا
هَقُهُمْ ذِلَّۃٌ ط مَا لَهُمْ مِّنَ	راستہ اختیار کیا۔ تو یہ ظاہر ہے
اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ کَاَنَّمَآ	کہ فطرت الٰہی برائی کا بدلہ ویسی
اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ	ہی برائی سے دے گی۔ ذلت
قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا	اور نامرادی سے ان کے چہرے
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ	ایسے کالے پڑ جائیں گے۔ گویا
فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ہ	رات کی چادر ظلمت کا ایک ٹکڑا

پھاڑکرآن کے چہروں پرڈال دیا گیا ہے۔ اللہ کے اس عذاب سے انہیں کوئی نہیں بچاسکتا۔ یہی لوگ اصحاب النار ہیں جن کے لئے ہمیشہ دوزخی زندگی ہوگی۔

ان دو آیتوں کی اگر اپنے مذاق کے مطابق تفسیر کروں تو ایک مستقل کتاب ہو جائے۔ اسلامی تعلیم کی حقیقت اور قرآن حکیم کے اصولِ دین حقائق ومعارف کا ایک بحرِ ذخار ہے جو ان دوچار جملوں کے اندر بند کردیا گیا ہے ختامہ مسک وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون۔

ثواب وعذاب کی حقیقت، نتائج افعال ومکافات عمل کے فطری اور طبیعی اصول کی تشریح، مذہب واخلاق کی اساسات اصلیہ اورامتیازات عملیہ، قانون تعالئے وتسفل بشری کے مبادی حقائق، اصحاب جنّت وارباب نار کی ندرتی تقسیم، فطرت کا قانون عمل بالمثل، اور انسان کے لئے راہ سعادت وہدایت کی کلّی اور اصولی تعلیم، غرضیکہ شریعت واخلاق اورحکمت وتعلیم کی کوئی اصولی بحث ایسی نہیں ہے، جو ان دو آیتوں پر متفرع نہ ہوتی ہو اور ان کی طرف ایک واضح اور بیّن اشارہ ان میں نہ کر دیا گیا ہو۔ تا وقتیکہ تفسیر القرآن کی تحریر وتوضیح کا مستقل انتظام نہ ہو ضمنی طور پر یہ چیزیں بیان میں نہیں آسکتیں۔

(۲)

مندرجہ بالا آیات کے درج کرنے سے مقصود یہ تھا کہ اصحاب الجنۃ اور اصحاب النار کی کھلی کھلی تقسیم کرکے ان کے کاموں اور کاموں کے نتائج

کو صاف صاف تبلا دیا ہے ۔ پس یہ دو آئیتیں میری بحث و استدلال کی اصل و اساس ہیں ۔ ان سے واضح ہو گیا کہ دونوں گروہ بالمقابل اور بالضد واقع ہوئے ہیں ۔ ایک کے لئے کامیابی، فتح و مراد اور فوز و فلاح ہے ۔ اور ذلت و رسوائی سے ہمیشہ محفوظ ہے ۔ دوسرے کے لئے شرمندگی خجالت، ناکامی اور ہمیشہ آگ میں سوکھی لکڑی اور خشک پتوں کی طرح جلنے کا عذاب الیم ہے ۔

دونوں جماعتوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ "اصحاب الجنّۃ" ہمیشہ کامیاب و فتحمند ہوں گے اور اصحاب النّار کے حصّے میں ہمیشہ عاقبت کار اور انجام امور کا خسران و نقصان آئے گا ۔

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ	اصحاب الجنۃ اور اصحاب النّار
وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ	اپنے کاموں اور ان کے نتیجوں
الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ○	میں ایک طرح نہیں ہو سکتے ۔

اصحاب الجنۃ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

موقع تفصیل کا نہیں ۔ تقریباً ۸۰ مقامات پر اصحاب النّار اور اصحاب الجنّۃ کے اعمال و علائم و آثار و نتائج بہ تفصیل بیان کئے گئے ہیں ۔ پھر ان جماعتوں کے بھی مختلف مدارج ہیں ۔ اور اسی بنا پر اصحاب النّار کو اصحاب الجحیم اور اصحاب السعیر بھی کہا گیا ہے ، مگر میں بحث کو طول نہ دوں گا ۔

تمام آیتوں کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نفوس مومنہ و صالحہ جو اعتقادِ حق اور عمل صالح کے ساتھ متصف ہیں۔ اور جنہوں نے اللہ کے رشتے اور اللہ کے تعلق کے آگے تمام باطل اور خبیث قوتوں کے رشتوں کو توڑ ڈالا ہے۔ اور اس کی بخشی ہوئی قوتوں کو اسی کے بتلائے ہوئے صالح اور صحیح کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ سو ایسے تمام لوگ اصحاب الجنت میں داخل ہیں۔ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ۔ ہمیشہ ہر طرح کی کامیابیاں اور خوبیاں انہی کے لئے ہیں لیکن جو لوگ اعتقادِ حق اور عمل صالح سے محروم ہیں اور اللہ کے تاج و تخت قدوس سے باغی ہوگئے ہیں، خواہ کسی بھیس اور کیسے ہی روپ میں ہوں لیکن وہ سب کے سب اصحاب النار میں داخل ہیں۔ اُن کے تمام کاموں کے لئے آگ کی تپش اور سوختنی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جنگل کی سوکھی لکڑی اور درختوں کے خشک پتے جس طرح بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلتے ہیں، ٹھیک ٹھیک اسی طرح وہ بھی جلیں گے۔

اصحاب المیمنہ واصحاب المشئمہ

پھر ایک اور تقسیم بھی ہے جو ان دو جماعتوں کے متعلق قرآن حکیم میں نظر آتی ہے۔ بعض خاص حالات وخصائص کی بنا پر انہیں اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ یعنی داہنی جانب کی جماعت اور بائیں جانب کا گروہ۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ   اصحاب المیمنۃ اور اصحاب المیمنۃ

اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ وَاَصۡحٰبُ
الۡمَشۡئَمَةِ مَا اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ
وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ
اُولٰٓئِكَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۚ فِیۡ
جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ۝

کے مدارج کا کیا کہنا کہ بڑے ہی عالی مرتبہ ہیں۔ اور اصحاب المشئمہ اور اصحاب المشئمہ کی بدبختیوں کو کیا کہیئے کہ ان کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں اور پھر سالبقون السالقون کہ درگاہِ الٰہی کے وہی مقرب بندے ہیں۔

یہاں تین جماعتوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی دو جماعتیں اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ ہیں اور تیسری" السابقون السابقون "۔ چنانچہ اس سے پہلے کہہ دیا ہے کہ وَکُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً۔

سابقون السابقون سے وہی لوگ مراد ہیں جن کی نسبت سورۂ انبیاء میں فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ۔ لیکن اس جماعت کا حال میں یہاں نہیں لکھوں گا۔ مقصود صرف پہلی دو جماعتیں ہیں۔ ان جماعتوں کے اعمال و خصائص کی تشریح یہاں، تو نہیں کی گئی۔ لیکن سورۂ بلد میں صاف صاف بتلا دیا ہے :-

وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ ؕ
فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ اَوۡ اِطۡعٰمٌ
فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَةٍ ۙ
یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ۙ ثُمَّ

تم سمجھے کہ ہم نے جو یہاں "عقبہ" کا لفظ کہا ہے سو اس سے کیا مقصود ہے ؟ عقبہ سے مراد یہ ہے۔ کہ انسان کی گردن

كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۞ اُوْلٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۞ (۹۰ : ۱۲)

کو غلامی کے پھندے سے چھڑا دینا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور یتیم کی (اعلی الخصوص جب کہ اپنے قریبی لوگوں میں سے ہو)

اور محتاج و مسکین کی مدد کرنا۔ پس جو انسان کہ اپنی بڑائی کا مدعی ہے اسے چاہیئے تھا کہ آزمائشی گھاٹی کی منزل سے گزرتا اور اس کے علاوہ اس جماعت کے لوگوں میں ہوتا جو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و برداشت کرنے کی اور باہم مرحمت کی وصیّت کرتے ہیں۔ یہی لوگ "اصحاب المیمنہ" ہیں۔

اس کے بعد دوسرے گروہ کے کاموں اور نتائج کی تعریف بیان کی :-

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۞ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۞ (۹۰ : ۱۲)

مگر جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو، ہماری تعلیمات کو، ہمارے احکام کو، اور ہماری بھیجی ہوئی ہدایت کو قول سے اور عمل سے جھٹلایا، تو وہ لوگ "اصحاب المشئمہ" ہیں۔

ان آیات سے پہلے انسان کی خلقت کے ضعف اور پھر نفس دعویٰ کی ابلیسانہ گمراہی کا ذکر کرکے غافل انسانوں کو ملامت کی ہے اور کہا ہے کہ خدا نے انسان کے آگے ہدایت و ضلالت دونوں راہیں کھول دی ہیں۔ اُسے دیکھنے، سوچنے، امتیاز کرنے کے لئے عقل و تمیز بھی دے دی ہے پس باوجود اس کے یہ کیسی شقاوت ہے کہ ہدایت کی راہ چھوڑ کر ضلالت

کا راستہ اختیار کیا جائے۔ اور اللہ کی آیات و بصائر سے بالکل آنکھیں بند کرلی جائیں۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ اس گمراہ انسان کو دیکھو جو بڑے بڑے دعوے اور گھمنڈ کی باتیں کرتا ہے پر آزمائش کی اس گھاٹی کو طے نہ کرسکا۔ جو انسان کی ہدایت کی پہلی منزل ہے۔ یہاں اصلی لفظ "عقبہ" کا آیا ہے۔ اس کے معنی دشوار گزار کام یا گھاٹی کے ہیں۔ کیونکہ اصحاب المیمنہ کے کاموں میں دشوار اور مشکل امتحانات ہیں۔ اس لئے انہیں "عقبہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اصحاب المیمنہ کے کاموں کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ جو اس سفر میں بطور آزمائش کی ایک گھاٹی (عقبہ) کے ہے کہ بندگان الٰہی کو غلامی و محکومی سے نکالنے کے لئے سعی کرنا۔ اور ان کی گردنوں کو انسانوں کے تسلط و حکومت کے بوجھ سے آزاد کرانا۔ نیز اپنے مال کو مسکینوں، محتاجوں اور یتیموں کے لئے خرچ کرنا اور بھوکوں کو افلاس وفقر کے زمانے میں کھانا کھلانا ہے۔ جب اس منزل سے گزر جائیں، تو اس کے بعد دوسری منزل آتی ہے۔ جسے تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی مقام ہے جسے سورۂ عصر میں وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کہا ہے۔ تمام وہ فضائل و اعمال جن کے لئے صرف قوئ و تحمل مصائب و نظارۂ آلام وثبات و استقامت کی ضرورت ہے مفہوم "صبر" میں داخل ہیں۔ "مرحمۃ" سے مقصود تمام اعمال حسنہ و فاضلہ ہیں و القصہ بطولہا۔

اصحاب المشئمۃ ان دونوں مقاموں سے محروم ہوتے ہیں۔ یہی اُن کی علامت ہے۔

اصحاب المیمنۃ کو اصحاب الیمین بھی کہا ہے اور اصحاب المشئمۃ کو اصحاب الشمال کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ چنانچہ سورۂ واقعہ میں اصحاب المیمنۃ اور اصحاب المشئمۃ کا ذکر آگے چل کر یوں کیا گیا ہے۔

وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ مَآ
اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ؕ فِیْ
سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ وَّطَلْحٍ
مَّنْضُوْدٍ ۙ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ
وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ وَّفَاكِهَةٍ
كَثِیْرَةٍ ۙ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا
مَمْنُوْعَةٍ ۙ

اصحاب الیمین کے لئے باغ و بہار کی دائمی خوشیاں اور نظارے ہیں۔ جو نہ تو کبھی روکے جاسکیں گے۔ اور نہ کبھی ان کا سلسلہ ٹوٹے گا۔

اور پھر کہا۔

اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ
اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ فِیْ سَمُوْمٍ
وَّحَمِیْمٍ ۙ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ
لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ ۙ اِنَّهُمْ
كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ۚ

یعنی اصحاب الشمال وہ ہیں کہ ان کے لئے تپش و سوزش اور کھولتے ہوئے پانی کی سی گرمی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ پہلے بڑے آسودہ حال

تھے مگر پاداش عمل میں اُن کا یہ حال ہو گیا۔

پہلی آیت میں لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ اور دوسری میں انھم کانوا من قبل ذالک مترفین قابل غور ہے۔

دعوۃ الی اللہ ودعوۃ الی الشیطان

ایک اہم موضوع بحث ان دونوں جماعتوں کے خصائص و اعمال، آثار و نتائج اور عوائد و عواقب کا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں جماعتیں باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس لئے ان کے تمام کام بھی ایک دوسرے سے بالکل متضاد و مخالف ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم نے اس کثرت سے اُن کے متضاد و متبائن خصائص و اعمال کا جا بجا ذکر کیا ہے کہ اگر اُن سب کو یک جا کیا جائے تو اقلاً سو اشتیں ضرور ہو جائیں اور انسان کے اعمال ہدایت و ضلالت عجیب عجیب اسرار و معارف منکشف ہوں۔ مگر چونکہ اس مضمون میں تمام تذکرہ ضمناً و تبعاً ہے، نہ کہ اصلاً ——— اس لئے صرف سرسری نظر سے کام لے رہا ہوں۔

ازاں جملہ ایک سب سے بڑا نمایاں اور بنیادی اختلاف جوان دونوں جماعتوں کے کاموں میں ہوتا ہے اور جس کو قرآن کریم نے اُن کا امتیازی نشان قرار دیا ہے یہ ہے کہ دونوں جماعتیں دنیا کو اپنے اپنے دوستوں اور محبوبوں کی طرف بلاتی اور دعوت دیتی ہیں۔ "اولیاء اللہ" اللہ کے دوست اور ساتھی ہیں۔ اس لئے وہ اپنی تمام قوتوں کو اللہ کی پکار

بلند کرنے اور اس کی طرف انسانوں کو بلانے میں صرف کر دیتے ہیں۔
پر اولیاء الشیطان قوائے شیطانیہ کے پجاری اور والہ وشیفتہ ہوتے
ہیں۔ اس لئے ان کا جہاد خدا کی جگہ شیطان کی راہ میں ہوتا ہے۔ اور
اسی کی طرف خدا کے بندوں کو دعوت دیتے اور پکارتے ہیں۔ اور اولیاء
اللہ اور اصحاب الجنت کا مقصد دعوت خدا کی بادشاہت اور اس کا
کلمہ علیا ہوتا ہے۔ پس وہ خدا کے حکموں کو بیان کرتے اور اس کے پاک
اور مقدس اوامر کے ترجمان ہوتے ہیں۔ اولیاء الشیطان کی بیخ وپکار اور
جد وجہد کا مقصد شیطانی حکومت ہوتا ہے۔ پس وہ شیطان کے احکام
مفسدہ کی اشاعت کرتے اور اس کے اوامر خبیثہ کے سفیر ہوتے ہیں۔
اسی لئے اولیاء اللہ کی دعوت دنیا کی اصلاح و فلاح اور قیام انسانیت
کاملہ و مدنیہ صحیحہ کا سرچشمہ ہے اور اولیاء الشیطان کی دعوت شر و فساد
عدوان وطغیان، معاصی وفسوق، تخریب انسانیت و مدنیت مفسدہ
وردیہ کا منبع!

اب دیکھو کہ اللہ کے احکام کیا ہیں اور شیطان کیا حکم دیتا ہے؟
اللہ کا حکم یہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ	اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل کرو اور
وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى	تمام نیک باتوں اور ہر طرح
وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ	کی راست بازیوں کو اختیار
وَالْمُنْكَرِ۔	کرو اور اسی طرح روکتا ہے کہ

ہر طرح کے فواحش اور ظلم و معصیت سے بچو۔
لیکن شیطان کا حکم اس کے بالکل متضاد و مخالف ہے۔
چنانچہ فرمایا :۔

لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ	شیطانی وسوسوں کی پیروی مت
الشَّیْطٰنِ وَ اِنَّهٗ یَاْمُرُ	کرو۔ کیونکہ وہ فواحش اور ظلم و
بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (۲۴ / ۲۱)	عصیاں کے کرنے کا حکم دیتا ہے

پس اللہ کا دوست اور ولی وہی ہو سکتا ہے جو اُس کے حکم کا پیرو اور داعی ہو۔ اور اسی طرح شیطان کا ولی وہ ہے جو اُس کے حکموں کی منادی کرے۔ اللہ کا حکم یہ ہے کہ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ۔ اس لئے اولیاء اللہ کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ " امر بالمعروف و ناہی عن المنکر " ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ کے دوست، اُس کے سفیر، اور اُس کی حکومت کے خلیفہ ہیں۔ اور سفیر وہی ہے جو اپنے بادشاہ کے حکموں کا ترجمان ہو۔ یہی سبب ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر جا بجا زور دیا گیا اور اسے مومنوں کے تمام اعمال حسنہ کی بنیاد و اساس بتلایا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی	وہ مسلمان کہ اگر ہم انہیں دنیا
الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ	میں قائم کر دیں تو ان کا کام یہ
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا	ہو گا کہ وہ صلوٰۃ الٰہی کو قائم کریں
بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْ	گے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ

کریں گے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کی دعوت ہوگی۔ اور تمام
کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اور یہی سبب ہے کہ سورۂ اعراف میں جہاں یہود و نصاریٰ کو خاص طور پر اسلام کی دعوت دی ہے، وہاں حضرت ختم المرسلینؐ کی دعوت کے اہم اور نمایاں کام یہ بتلائے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ
النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ
یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا
عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ
وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ
بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ
الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ
الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ
عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ
وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا
النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۷-۱۵۷)

وہ لوگ کہ انہوں نے اللہ کے
رسول نبی امیؐ کی پیروی کی جن کی
بشارت اُن کے پاس توریت
وانجیل میں لکھی ہوئی موجود ہے۔
وہ رسول اچھے کاموں کا حکم دیتا
ہے اور برائیوں سے روکتا
ہے۔ پاک چیزوں کو ان کے لئے
حلال کرتا اور خبائث کو ان پر
حرام کرتا ہے۔ اور سخت حکموں
کے جو بوجھ ان کے سروں
پر تھے ان سے رہائی بخشتا۔ اور
غلامی و استبداد اور تقلید اشخاص
کے جو پھندے اُن کے گلوں
میں پڑے تھے اُن سے نجات

دیتا ہے۔ پس جو لوگ اس پہ ایمان لائے اس کی حمایت کی۔ اور اس کی نصرت کی راہ میں نکلے اور جو نور صداقت اس کے ساتھ بھیجا گیا (یعنی قرآن و اسلام) اس کی متابعت کی تو یہی لوگ ہیں جو ہر طرح کی فلاح اور فتح و کامیابی پائیں گے۔

یہ آیت کریمہ تمام تعلیمات اسلامیہ کا جامع و مانع خلاصہ ہے، جو قرآن حکیم نے پیش کر دیا ہے۔ اور دین الٰہی و شریعت فطریہ کا کوئی رکن ایسا نہیں ہے جو اس کے اندر بیان نہ کر دیا گیا ہو۔ اس میں داعی اسلام کا اولین کام امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرمایا۔ کیونکہ اس کی دعوت اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کا حکم یہی ہے۔

امر بالمنکر

لیکن شیطان ایک قوت خبیثہ ہے، جو سعادت عالم کی دشمن اور ہدایت انسانی کو روکنے والی ہے۔ پس وہ اپنے گھرانے کو اور اپنی نسل کے چاکروں کو حکم دیتی ہے کہ اولیاء اللہ کی منادی کی مخالفت کریں اور عدل و احسان کی جگہ ظلم و عدوان کی طرف لوگوں کو بلائیں فَاِنَّہٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ۔ اس لئے جو لوگ شیطانی حکموں کے سامنے گر جاتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر اُس کی سفارت و خلافت اختیار کر لیتے ہیں، اُن کا کام امر بالمعروف کی جگہ امر بالمنکر اور نہی عن المنکر کی جگہ نہی عن المعروف ہوتا ہے۔ یعنی اولیاء اللہ تو نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں لیکن وہ برائیوں کا حکم دیتے اور نیکیوں سے روکتے ہیں۔

قرآن کریم نے صاف صاف لفظوں میں اس کی تصریح کر دی ہے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۹ - ۶۷)

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی قسم کی ہیں۔ برائی کا حکم دیں۔ نیکیوں سے روکیں۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا وقت آئے تو مٹھیاں بھینچ لیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ انہوں نے اللہ کو بھلایا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ کچھ شک نہیں کہ یہ منافق ہی ہیں جو سخت فاسق ہیں۔

حالانکہ مومنوں کا حال یہ ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ

برخلاف منافقوں کے مومن مرد اور مومن عورتوں کا حال یہ ہے کہ نیک کاموں میں ایک کا ساتھی ایک ہے۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ برائی سے روکتے ہیں۔ صلوٰت الٰہی کو قائم کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔

عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ہ (۹-۷۱) عزمنیکہ اللہ اور اس کے رسول
کے حکم پر چلتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں۔ کہ ان پر عنقریب اللہ رحم کرے گا
کچھ شک نہیں کہ اللہ عزیز و حکیم ہے۔

پہلی آیت میں منافق کا لفظ فرمایا۔ نفاق ایمان کے مقابلے میں اور کفر اسلام کے مقابلے میں قرآن کی اصطلاح ہے۔ پس یہ اُن لوگوں کا حال ہے جو مومنوں کی ضد و مخالف ہیں اور مومنوں کا دوسرا نام "اولیاء اللہ" ہے۔

فرمایا کہ "نسوا اللّٰہ فنسیھم"۔ اُنہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے اس لئے وہ بھی بھلا دیئے گئے۔

اللہ اور اس کے ذکر کو بھلانا ایک حقیقی شیطانی عمل ہے۔ ہر جگہ قرآن حکیم میں نسیان و ذہول کو شیطان کی طرف نسبت دی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بحری معلّم کی تلاش میں جب نکلے اور دو دریاؤں کے جمع ہونے کی جگہ پر مچھلی بھول آئے، تو اُن کے ساتھی نے کہا۔ وما انسانیہ الا الشیطان۔ یعنی شیطان نے مجھ پر نسیان طاری کر دیا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قید خانے کے ساتھی سے کہا تھا اذکرنی عند ربک۔ عزیز مصر سے میرا ذکر کر دینا اگر وہ عزیز مصر سے ذکر کر دیتا تو عجب نہیں کہ حضرت یوسفؑ کو جلد رہائی مل جاتی۔ لیکن شیطان نے بھلا دیا اور اُسے یاد نہ رہا۔

فَاَنْسٰـهُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ شیطان نے اس پر نسیان طاری

رَبِّہٖ فَلَبِثَ فِی السِّجۡنِ بِضۡعَ سِنِیۡنَ ۔ کردیا اور وہ اپنے آقا سے حضرت یوسف کا تذکرہ بھول گیا۔

اسی طرح سورۂ انعام میں فرمایا :- وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ۔ (۶ - ۶۹)

اصل یہ ہے کہ نیکی کا سرچشمہ اللہ کی یاد اور اس کا ذکر ہے۔ قوت شیطانی اس ذکر کو بھلا دیتی ہے اور ہر کام جو نیک و صالح ہوتا ہے، اس کے لئے نسیان و ذہول طاری ہو جاتا ہے۔ گزشتہ صحبت میں "حزب الشیطان" کا ذکر آ چکا ہے۔ جو اولیاء الشیطان کی جماعت کا نام ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے خدا نے فرمایا کہ

استحوذ علیہم الشیطٰن	شیطان ان پر مسلط ہو گیا ہے
فانسٰھم ذکر اللہ اولٰئک	پس انہوں نے خدا کے ذکر کو بھلا
حزب الشیطٰن ۔	دیا ہے یہی لوگ حزب الشیطان ہیں

آیت بالا میں بھی نسیان شیطانی کا ذکر کیا ہے اور اس آیت میں بھی حزب الشیطان کے لئے نسیان ذکر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جن منافقین و منافقات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ وہی حزب الشیطان ہے اولٰئک ھم الخٰسرون ۔

عود الی المقصود

غرض کہ اولیاء الشیطان اور حزب ابلیسی کا کام دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ امر بالمعروف والعدل کے مقابلے میں امر بالمنکر والافساد کریں۔ اور

نہی عن المنکر کی جگہ امر بالمنکر کے لئے پکاریں۔

هَلْ يَسْتَوِىْ هُوَ وَمَنْ	کیا ایسا شخص اور وہ مومن مخلص
يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى	اپنے کاموں میں برابر ہو سکتے ہیں
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔	جو دنیا کو عدل کا حکم دیتا ہے۔

اور خود بھی صراط مستقیم پر چل رہا ہے؟

اور چونکہ دونوں جماعتوں کی تعلیم اور دعوت ایک دوسرے کے ضد اور مخالفت میں ہوتی ہے۔ پس ہر اعلان صداقت و دعوت الی اللہ کے موقعہ پر دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہو جاتی ہیں۔ ایک صف کے ہاتھ میں امر بالعدل والمعروف کا علم صلح و اصلاح ہوتا ہے۔ دوسری صف کے اوپر مکر و فساد اور فواحش و منکرات کا جھنڈا لہراتا ہے۔ ایک سے امر بالمعروف و دعوت الی اللہ کی صدا اٹھتی ہے۔ دوسرے سے امر بالمنکر و دعوت الی الشیطان کی منادی بلند ہوتی ہے۔ ایک اللہ کی راہ میں اپنا خون بہاتا اور حق کے لئے جہاد کرتا ہے، دوسرا شیطان کی راہ میں لڑتا اور ظلم کے لئے قتال کرتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ	مومن اللہ کی راہ میں قتال
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ج وَالَّذِيْنَ	کرتے ہیں اور صاحبان کفر
كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ	شیطان اور اس کے خلفاء
الطَّاغُوْتِ۔	مظاہر کی راہ میں۔

پس مومن اور اللہ کا ولی وہی ہے جو شیطان کے ولیوں کو قتل کرے اور ان کے فساد وطغیان سے ارض الہٰی کو پاک کردے۔ کیوں کہ اس کے ایک ہی آقا اور خداوند نے حکم دیا ہے۔

فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ	شیطان کے دوستوں اور
اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ	پجاریوں کو قتل کرو۔ شیطان
ضَعِيْفًا ه (۴-۷۶)	کے مکروفساد خواہ کتنے ہی قوی

اور مہیب نظر آئیں۔ لیکن اللہ کے ولیوں کے سامنے بالکل ہی ضعیف و بے طاقت ہیں۔

اور ایسا کرنا قتل و خونریزی نہیں بلکہ عین صلح و اصلاح اور امن و نظام ہے۔ کیونکہ فساد وظلم کے روکنے کے لئے جو شخص خون بہاتا ہے، وہ دنیا کا حقیقی مصلح اور محسن ہے۔ کیونکہ اُس نے ایک جماعت کا خون بہا کر تمام عالم کو زندگی بخش دی۔ اور جو شخص ظلم وفساد کو زندگی بخشتا ہے، وہی دنیا کا دشمن اور انسانیت کا عدو ہے۔ کیونکہ چند انسانوں کی خاطر تمام انسانوں سے دشمنی کر رہا ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ	اور قتل کے بدلے قتل کرنے
حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ۔	میں اے صاحبان عقل تمہارے

لئے زندگی ہے۔ کیونکہ ایک کو قتل کر کے اس کے شر وظلم سے تم نے تمام دنیا کو نجات دلادی۔

نیز فرمایا کہ:۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ
فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ
كُلُّهٗ لِلّٰهِ ج۔

اور اولیاء الشیطان کو قتل کرو
یہاں تک کہ دنیا میں فتنہ وفساد
باقی نہ رہے۔ اور دین صرف
اللہ ہی کا قائم ہو جائے۔

اولیاء الشیطان کا کام بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو عدل ومعروف کا وعظ کرتے اور اس کی منادی بلند کرتے ہیں ——،

وَيُقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ
يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ

یعنی وہ ان لوگوں کو قتل کرتے
ہیں۔ جو عدل وانصاف کا حکم
دیتے ہیں۔ پس ضرور ہے۔ کہ داعیانِ حق وعدل کے ہاتھوں وہ بھی
قتل کئے جائیں۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ
فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ
مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

جو تم پہ زیادتی کرے، تم بھی اسی
طرح اور اسی قدر اس پر زیادتی
کرو تاکہ ظلم اور عدوان اللہ کے
بندوں کو نیست ونابود نہ کرے۔

اولیاء اللہ سے مقصود

لیکن واضح رہے کہ اولیاء اللہ سے قرآن کریم کا مقصود کوئی مصطلحہ جماعت اولیاء اللہ کی نہیں ہے بلکہ ہر مومن صادق جس نے شیطانی قوٰے سے اپنے تئیں الگ کر لیا ہے اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کے احکام کی

اطاعت کرتا ہے، وہ اللہ کے اولیاء اور دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے ایسے ہی لوگوں کا ان آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

البتہ اولیاء اللہ کے مقامات و مدارج کے خاص خاص حالات ضرور ہیں۔ اور کتاب و سنت سے ایسے مقامات کا پتہ چلتا ہے جو ایمان الٰہی اور ذہاب الی اللہ کے انتہائی مراتب ہیں۔ احادیث صحیحہ علی الخصوص صحیح بخاری کے کتاب التواضع کی حدیث "ولی" میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے نیز حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو محدّث فرمانا اسی کے ایک مرتبہ اعلیٰ کی صراحت تھی۔ لیکن اس کی تشریح کا یہاں موقع نہیں۔ اولیاء اللہ کے مدارج اس مشہور آیت شریفہ میں بیان کر دیئے گئے ہیں کہ:-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔

سنہ ہجری

سنہ ہجری

یہ فتح مدینہ کی یادگار ہے جسے تلواروں کی چمک نے نہیں بلکہ
ایک آوارۂ غربت اور بے سروسامان کی رُوحِ "ہجرت"
نے فتح کیا تھا۔

وحد ثتنی یاسعد عنہا، فزدتنی

جنونا، فزدنی من حدیثك یاسعد

آج جب کہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں محرم کی تیرہویں تاریخ ہے۔ پورے تیرہ دن اس واقعہ پر گذر چکے ہیں کہ پچھلا ہجری سال ختم ہو چکا اور نیا سال شروع ہو چکا ہے۔ لیکن ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے غور کیا ہوگا کہ اس سالانہ اختتام و آغاز میں تاریخ عالم کے کیسے عظیم اور انقلاب انگیز واقعہ کی یاد پوشیدہ ہے؟ وہ عظیم واقعہ جس کی یاد آوری سے بڑھ کر تاریخ اسلام کے کسی واقعہ میں بھی ہمارے لئے عبرت کی عظمت اور موعظت کی سرچشمگی نہیں تھی۔ مگر جس واقعہ سے بڑھ کر تاریخ اسلام کا کوئی واقعہ بھی ہماری یادداشت سے دور اور ہمارے دل

کی اثر پذیریوں سے مجبور نہیں ہوگیا ہے۔

جماعتی حافظہ اور اس کا مزاج

انفرادی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے اخلاق اور سیرت (کیرکٹر) کا اندازہ اس کے حافظہ کی افتاد سے کرلیا جا سکتا ہے۔ ایک نیک آدمی کے حافظہ میں غیر ضروری اور بری باتوں کی یادداشت کے لئے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی۔ لیکن ضروری اور اچھی باتیں وہ کبھی بھول نہیں سکتا۔ برخلاف اس کے ایک بداخلاق آدمی کو کتنی ہی کارآمد اور اچھی باتیں سنائی جائیں لیکن اس کے حافظہ میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں نکلے گی۔ وہ صرف بیکار اور بری باتیں ہی یاد رکھ سکتا ہے۔

یہی حال جماعتوں اور قوموں کے دماغ کا بھی ہے۔ ان کے ادبار و تنزل کی ایک بہت بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ جماعتی حافظہ کا مزاج بالکل اُلٹ جاتا ہے۔ جو باتیں یاد رکھنی چاہئیں، وہ اس طرح بھلا دی جاتی ہیں کہ بار بار یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آتیں اور جو باتیں بھلا دینی چاہئیں، وہ نہ صرف یاد رکھی جاتی ہیں، بلکہ ان کی یادآوریوں کا ایسا اہتمام کیا جاتا ہے کہ بھلانے کی کتنی ہی کوششیں کی جائیں، کبھی بھلائی نہیں جا سکتیں ــــــ! صدر اوّل کے مسلمانوں کی مذہبی اور اجتماعی زندگی سے موجودہ عہد کے مسلمانوں کی زندگی کا مقابلہ کرو تو اس حقیقت کی سب سے زیادہ واضح مثال سامنے آجائے گی۔ اس وقت مسلمان اٹھتے بیٹھتے جو باتیں یاد رکھا کرتے تھے آج کسی کو ان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو باتیں آج کل بے شمار تقریبوں، تہواروں، یادگاروں ا

اجتماعوں کے ذریعہ یاد رکھی جاتی ہیں۔ یہ اُس وقت کے کسی مسلمان کے وہم وگمان میں بھی نہیں گزری ہوں گی۔ اُس وقت اُن کا حافظہ صرف وہی چیزیں یاد رکھنی چاہتا تھا، جن کی یاد داشت میں اُن کی قومی زندگی کے لئے عظمت واعراض ہے۔ وہ ان چیزوں کو بھول نہیں سکتے تھے، جنہیں یاد رکھنا چاہئے۔ ہم اُن چیزوں کو بھلا نہیں سکتے، جنہیں ہمیشہ کے لئے بھلا دینا چاہئے ؎

سارت مشرقۃ وسرت مغرب
شتان بین مشرق ومغرب

واقعہ ہجرت

تاریخ عالم کا یہ عظیم واقعہ جس کی یاد سال کے اس اختتام وآغاز میں پوشیدہ ہے۔ ہجرت نبوی کا واقعہ ہے۔ کیونکہ پہلی محرم سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہے اور اس کی بنیاد واقعہ ہجرت پر رکھی گئی ہے۔ ہر سال جب ۳۰ رذوالحجہ کا دن ختم ہوتا اور پہلی محرم کا چاند طلوع ہوتا ہے، تو وہ اس عظیم واقعہ کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر دینی چاہتا ہے۔ یہ فی الحقیقت اس واقعہ کی ایک جاری وقائم یادگار ہے۔

یہ دنیا کی تمام قومی یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں ہے بلکہ کمزوری کی فتمندیوں کی یادگار ہے۔ یہ اسباب و وسائل کی فراوانیوں کی یادگار نہیں ہے، بے سروسامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہے یہ طاقت اور حکومت کے جاہ وجلال کی یادگار نہیں ہے، محکومی وبے چارگی

کے ثبات واستقلال کی یادگار ہے۔ یہ فتح مکہ کی یادگار نہیں ہے جسے دس ہزار تلواروں کی چمک نے فتح کیا تھا، یہ فتح مدینہ کی یادگار ہے، جسے تلوار کی چمک نے نہیں بلکہ ایک آوارۂ غربت اور بے سروسامان انسان کی روح ہجرت نے فتح کیا تھا۔ تم نے بدر کی جنگی فتح اور مکہ کے مسلح داخلہ کی شان و شوکت ہمیشہ یاد رکھی ہے لیکن تم نے مدینہ کی بے ہتھیار کی فتح فراموش کر دی حالانکہ تاریخ اسلام کی ساری آنے والی فتح مندیاں اسی اولین فتح میں ایک بیج کی طرح پوشیدہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ظاہری فتح مندیوں کے اعلان کا وقت آیا تھا، تو اس وقت اسی معنوی فتح مندی کی یاد لوگوں کو دلائی گئی تھی۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ، وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا، وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔

تذکارِ محرم

اسی ہجری سنہ کے ساٹھویں برس کربلا کا حادثہ ظہور میں آیا۔ یہ حادثہ اس درجہ المناک اور دردانگیز تھا۔ اور اس کے سیاسی اثرات اس درجہ قوی اور وسیع تھے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ اُس کی یادگار ایک ماتمی حیثیت اختیار کرتی گئی۔ یہاں تک کہ محرم کے ورود کی تمام

یاد آوریاں صرف اسی حادثہ کے تذکرۂ و تالم میں محدود ہو گئیں اور دوسرے تمام پہلو یک قلم فراموش کر دیئے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ حادثہ کربلا کی المناکیاں اور عبرت انگیزیاں ناقابل فراموش ہیں۔ لیکن ہمارے جماعتی ذہن و فکر کی یہ بہت بڑی غفلت ہو گی، اگر اس حادثہ کے استغراق میں تذکرہ و اعتبار کے دوسرے پہلو فراموش کر دیئے جائیں۔ یہ سنہ ہجری کے ساٹھویں برس کے ایک واقعہ کی تذکار ہے، لیکن خود سنہ ہجری کے پہلے برس کے تذکار سے کیوں چشم بصیرت بند کر لی جائے؟

سنہ ہجری کی ابتداء

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا کی متمدن قوموں میں متعدد سنہ جاری تھے۔ زیادہ مشہور یہودی، رومی اور ایرانی سنین تھے۔ عرب جاہلیت کی اندرونی زندگی اس قدر متمدن نہیں تھی کہ حساب و کتاب کی کسی وسیع پیمانے پر ضرورت ہوتی۔ اوقات و مواسم کی حفاظت اور یادداشت کے لئے ملک کا کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اسی سے وقت کا حساب لگا لیتے۔ منجملہ سنین جاہلیت کے عام الفیل تھا یعنی شاہ حبش کے حجاز پر حملہ کرنے کا سال۔ عرصہ تک یہی واقعہ عرب کے حساب و کتاب میں بطور سنہ کے مستعمل رہا۔ ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت خود عہد اسلام کے واقعات نے لے لی۔ صحابۂ کرام کا قاعدہ تھا کہ عہد اسلامی کے واقعات میں سے کوئی ایک اہم واقعہ لے لیتے اور اسی سے حساب لگاتے۔ ہجرت مدینہ کے بعد ہی سورۂ حج کی وہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں قتال کی اجازت

دی گئی تھی :-

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا، وَإِنَّ اللهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ۔

اس لئے کچھ دنوں تک یہی واقعہ بطور ایک سنہ کے مستعمل رہا۔ لوگ اسے "سنہ اذان" سے تعبیر کرتے اور یہ تعبیر وقت کے ایک خاص عدد کی طرح یادداشت میں کام دیتی۔ اسی طرح سورۂ براۃ کے نزول کے بعد "سنہ براۃ" کا بھی بول چال میں رواج رہا۔ عہد نبوی کا آخری سنہ "سنۃ الوداع" تھا۔ یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخری حج کا واقعہ، جو حجۃ الوداع "کے نام سے مشہور ہو گیا تھا اور ہجرۃ کے دسویں سال پیش آیا تھا۔ بعض روایات سے اس طرح کے متعدد سنوں کا پتہ چلتا ہے مثلاً سنۃ التمحیص، سنۃ الترفیئہ، سنۃ الزلزال، سنۃ الاستئناس بیرونی نے آثار الباقیہ میں اس طرح کے دس سنوں کا ذکر کیا ہے۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک یہی حالت جاری رہی لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد شروع ہوا تو ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب وکتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے اور ضرورت پیش آئی کہ سرکاری طور پر کوئی ایک سنہ قرار دے دیا جائے۔ چنانچہ اس معاملہ پر غور کیا گیا اور سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا۔ اس وقت تک واقعہ ہجرت پر سولہ برس گزر چکے تھے۔

ضرورت کا احساس اور صحابہ کا مشورہ

سنہ ہجری کا تقرر کیونکر عمل میں آیا؟ کیوں حضرت عمرؓ اور تمام صحابہ کا ذہن اس طرف گیا کہ اسلامی سنہ کی ابتداء واقعہ ہجرت سے کی جائے؟ یہ تاریخ اسلام کا ایک ضروری اور نتیجہ خیز مبحث تھا لیکن افسوس ہے کہ اس وقت تک نظر و فکر سے محروم رہا۔

اس بارے میں متعدد روائتیں منقول ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور روایت میمون بن مہران کی ہے، جسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے:-

رفع الی عمر بن الخطاب صك
محله شعبان فقال ای شعبان
هو؟ اشعبان الذی نحن فيه
او الآتی؟ ثم جمع وجوه الصحابه
فقال ان الاموال قد كثرت وما
قسمنا منها غير موقت، فكيف
التوصل الی ما يضبط به ذالك؟
فقالوا يجب أن يعرف ذالك
من الفرس فعندها استحضر عمر
الهرمزان وسأله عن ذالك،

ایک مرتبہ ایک کاغذ حضرت عمرؓ
کے سامنے پیش کیا گیا جس میں شعبان
کا مہینہ درج تھا حضرت عمر نے
کہا شعبان سے مقصود کون سا
شعبان ہے؟ اس برس کا یا آئندہ
برس کا؟ پھر آپ نے سربرآوردہ
صحابہ کو جمع کیا اور ان سے کہا:
اب حکومت کے مالی وسائل بہت
وسیع ہو گئے ہیں، اور جو کچھ ہم تقسیم
کرتے ہیں۔ وہ ایک ہی وقت میں

فقال ان لنا حسابا نسمّيه "ماه
روز" فعربوا الکلمه وقالوا
"مورخ" ثم طلبوا وقتًا
يجعلونه اولا لتاريخ دولة
الاسلام، فاتفقوا على ان
يكون المبدء من سنة الهجرة
(تاریخ کبیر ذہبی و تاریخ مصر مقریزی)

ختم نہیں ہو جاتا۔ اس لئے ضروری
ہے کہ حساب و کتاب کے لئے
کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے
کہ اوقات ٹھیک طور پر منضبط ہو
ہو سکیں۔ اس پر لوگوں نے کہا
کہ ایرانیوں سے مشورہ کرنا چاہئے
اُن کے یہاں اس کے طریقے کیا
تھے چنانچہ حضرت عمر نے ہرمزان کو بُلایا۔ اس نے کہا ہمارے یہاں ایک حساب موجود ہے جسے "ماہ روز" کہتے ہیں۔ اسی ماہ روز کو عربی میں "مورخ" بنا لیا گیا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی حکومت کی تاریخ کے لئے جو سنہ اختیار کیا جائے، اس کی ابتدا کب سے ہو؟ سب نے اتفاق کیا کہ ہجرت کے برس سے کی جائے۔ چنانچہ ہجری سنہ قرار پایا۔"

ابن حبان نے قرہ بن خالد سے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے اس میں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:۔

کان عند عمر عامل جاء
من اليمن فقال لعمر أما
تورخون تكتبون فی سنته
کذا وکذا من شهر
کذا وکذا؟ فاراد عمر الناس

حضرت عمر کے پاس یمن سے
ایک عامل آیا تھا اس نے کہا
لکھنے پڑھنے میں آپ لوگ
تاریخ نہیں لکھتے۔ اس طرح
کہ فلاں بات فلاں سنہ میں

ان یکتبوا من مبعث	اور سنہ کے فلاں مہینے میں
رسول اللہ صلعم	ہوئی ؟ اس پر حضرت عمرؓ
ثم قالوا من عند	اور اور لوگوں کو اس معاملہ
وفاتہ ثم ارادوا ان	کا خیال ہوا۔ پہلے انہوں نے
یکون ذالک من	ارادہ کیا کہ آنحضرت کے
الھجرۃ۔	مبعوث ہونے کے وقت
(تاریخ کبیر ذہبی و مقریزی جلد ۲)	سے سنہ کا حساب شروع

کریں۔ پھر خیال ہوا کہ آپ کی وفات سے شروع کیا جائے۔
لیکن آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ ہجرت سے سنہ کا تقرر ہو۔"

ان روایات کی مزید تشریح امام شعبی کی روایت سے ہوتی ہے، جو محب طبری نے نقل کی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ :-

ان ابا موسی الاشعری	ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ
کتب الی عمر أنہ تاتینا	کو لکھا کہ آپ کی جانب سے
منک کتب لیس لھا	ہمارے نام خطوط آتے ہیں۔
تاریخ وقد کان عمر دوّن	مگر ان پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی
الدواوین و وضع الا	اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت
خرجۃ واحتاج الی	عمر نے حکومت کے مختلف
تاریخ ولم یجب التاریخات	دفاتر قائم کر دیئے تھے اور
القدیمۃ فجمع علیہ	خراج کے اصول و قواعد طے

عند ذالك واستشار	پا گئے تھے اور اس لئے
الناس فاتفقوا علیٰ	محسوس کر رہے تھے کہ منضبط
ان یکون المبداء	اوقات کے لئے ایک خاص
من الهجرة (ریاض النضرة)	تاریخ قرار پا جائے۔ پرانی تاریخیں

موجود تھیں لیکن وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ انہیں اختیار کریں۔ اب موسیٰ اشعری نے لکھا تو انہیں زیادہ توجہ ہو گئی۔ صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ مشورہ میں سب کی رائے یہی قرار پائی کہ ہجرت کا واقعہ بنیاد ٹھہرا کر سنہ ہجری اختیار کیا جائے۔

ابو ہلال عسکری نے الاوائل میں اور مقریزی نے تاریخ میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ واقعہ ہجرت سے سنہ شروع کرنے کی رائے حضرت علی علیہ السلام نے دی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ:۔

جمع عمر الناس فسالهم	جب حضرت عمر نے صحابہ سے
من ای یوم یکتب التاریخ؟	مشورہ کیا کہ کس دن سے تاریخ
فقال علی بن ابی طالب من	کا حساب شروع کیا جائے؟
یوم هاجر رسول الله صلعم	تو حضرت علی نے فرمایا اس
وترك مكه ففعله عمر	دن سے جس دن آنحضرت
(کتاب الاوائل قلمی و مقریزی طبع	نے ہجرت کی اور مکہ سے
ثانی جلد ۲ صفحہ ۵۶)	مدینہ آئے۔

یعقوبی نے بھی اسے منجملہ ان امور کے قرار دیا ہے جو حضرت علی کی رائے

سے انجام پائے۔ سنہ ۱۶ھ کے واقعات میں لکھتا ہے۔

وفیھا ارخ عمر الکتب والدوان
یکتب التاریخ منذ مولد
رسول اللّٰہ ثم قال من المبعث،
فاشار علیہ علی بن ابی طالب ان
یکتبہ من الھجرۃ ، فکتبہ
من الھجرۃ (جلد ۲ : ۱۶۶)

اسی زمانہ میں حضرت عمر نے
ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لئے
ایک تاریخ قرار دے دی جائے
پہلے انہیں خیال ہوا آنحضرت کی
ولادت سے شروع کریں۔ پھر
خیال کیا آپ کی بعثت کے واقعہ
سے ابتدا کی جائے لیکن حضرت علی نے رائے دی کہ ہجرت سے شروع کرنا چاہیئے۔

قومی سنہ کی ضرورت واہمیّت

ان روایات کے مطالعہ کے بعد ضروری ہے کہ بعض امور پر غور کیا جائے۔

سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی کہ ایک نیا سنہ قرار دیا جائے؟ امام شعبی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ تاریخ کے تعین وتقرر کی ضرورت محسوس کر رہے تھے لیکن پسند نہیں کرتے تھے کہ دوسری قوموں کی تاریخ اختیار کریں۔ پہلی روایت میں جس ہرمزان کو بُلانے اور مشورہ کرنے کا ذکر ہے، یہ خوزستان کا بادشاہ تھا اور مسلمان ہو کر مدینہ میں مقیم ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی مجالس شوریٰ میں اس کا بار بار ذکر آتا ہے (بلاذری وطبری وغیرہما)، بیرونی لکھتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اُس سے مشورہ کیا تو اُس

نے نہ صرف ایرانیوں کا طریقہ ہی بتلایا بلکہ رومیوں کے طریقہ کی بھی تشریح کی۔ ایرانیوں کے یہاں کا آخری سنہ یزدگرد کا سنہ تھا۔ اور رومیوں کا مشہور سنہ سکندر کی پیدائش سے شروع ہوتا تھا۔ بعض صحابہ کو خیال ہوا، انہی دونوں میں سے کوئی سنہ اختیار کر لیا جائے لیکن حضرت عمر اور اور لوگ اس سے متفق نہ ہوئے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں اور رومیوں کے سنین مجمع صحابہ میں زیر بحث رہے اور بعضوں نے اسے اختیار کرنے کی رائے بھی دی لیکن عام رجحان اسی طرف تھا کہ نیا سنہ مقرر کرنا چاہیئے۔

اس حقیقت پر بھی نظر رہے کہ سنہ کی ضرورت اور استعمال کی بڑی جگہ حساب و کتاب کے دفاتر تھے۔ اور حضرت عمر نے باتفاق صحابہ دفاتر کے لئے وہی زبانیں اختیار کر لی تھیں، جو پیشتر سے مفتوحہ ممالک میں رائج تھیں۔ ایران کے لئے فارسی، شام کے لئے سریانی اور مصر کے لئے قبطی تھی (مسعودی و بلاذری) ظاہر ہے کہ جب دفاتر کے لئے ایران و شام کی زبانیں اختیار

---

[1] بیرونی نے یہ تفصیل میمون بن مہران کی روایت کے سلسلہ ہی میں کی ہے اور اس کے الفاظ روایت مندرجہ متن سے مختلف ہیں۔ چونکہ اُس نے کوئی تخریج نہیں کی تھی اس لئے حسب اصول فن روایت اس سے اساسی استدلال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسی لئے ہم نے اوپر کی روائتوں میں اُسے شامل نہیں کیا (آثار الباقیہ صفحہ ۳۰)

کر لی گئی تھیں، تو قدرتی طور پر سنہ بھی وہی اختیار کر لینا تھا، جو اُن زبانوں کے حساب کتاب میں رائج تھا۔ اور اس کے قواعد بندھے چلے آتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ اور صحابہ نے ایسا نہیں کیا، ایران اور روم و مصر کی زبانیں اختیار کر لیں مگر سنہ اپنا قائم کرنا چاہا۔ غور کرنا چاہیے، اس اجتناب کی علت کیا تھی ــــــ؟

یہ عادت تو قطعاً نہیں ہو سکتی کہ صحابہ کرام محض قومی تعصب اور تنگ دلی کی بنا پر دوسری قوموں کی اچھی اور کار آمد باتوں سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ اوّلاً تو اس بارے میں خود اسلامی احکام کا یہ حال ہے کہ رکاوٹ کی جگہ صریح ترغیب دی گئی ہے۔ ثانیاً اس عہد کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعصبات کو اُس وقت کے مسلمانوں کی ذہنیت میں کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ وہ دنیا کے تمام علمی و تمدنی ذخیرہ کو خواہ کسی قوم اور ملک سے تعلق رکھتا ہو، اپنا قومی ورثہ سمجھتے تھے۔ خود اسی عہد میں حضرت عمرؓ نے بے شمار معاملات میں غیر قوموں کے علمی اور تمدنی اصول معلوم کئے ہیں اور ان میں جو باتیں کار آمد اور ضروری نظر آئی ہیں بلا تامل اختیار کر لی ہیں۔ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آتا، وہ ایرانیوں، رومیوں اور مصریوں کو بااصرار طلب کرتے اور اُن سے مشورہ لیتے۔ دفاتر حکومت کی تقسیم، خراج و محصول کا تعین اراضی کی پیمائش اور تشخیص، خزانہ کا قیام، حساب و کتاب کے اصول و قواعد کا تتبع کیا گیا۔ فقہ کا ایک اہم باب فرائض ہے یعنی ورثہ کی تقسیم کے اصول و قواعد۔ چونکہ اس کا تعلق فن حساب سے ہے، اس لیے حضرت عمرؓ نے چاہا

اس کے قواعد کی ترتیب و درستگی کے لئے ایک ماہر حساب سے مدد لی جائے۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس غرض سے ایک رومی مسیحی مدینہ میں طلب کیا گیا تھا۔ حلبی کے فرمان میں والی شام کو جو الفاظ لکھے تھے، وہ یہ ہیں:—

ابعث لنا برومی یقیم	ایک رومی کو بھیج دو تاکہ وہ
لنا حساب فرائضنا۔	ہمارے فرائض کا حساب استوار

کر دے۔ (صراط مستقیم حافظ ابن تیمیہ)

جب حضرت عمرؓ کو فرائض جیسے شرعی مسئلہ کے حساب میں ایک رومی عیسائی سے مدد لینا ناگوار نہ ہوا، تو ظاہر ہے کہ ایرانی یا رومی سنہ کے اختیار کر لینے میں قومی تعصب کیوں مانع ہوتا جس کا تعلق صرف حساب و تاریخ سے ہے؟ پس یقیناً کوئی دوسری ہی علت ہونی چاہئے جس کی وجہ سے انہوں نے ایرانی اور رومی سنین جیسے مدوّن و رائج سنہ چھوڑ دیئے اور ایک نیا سنہ از سر نو قائم کیا۔

اصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم اور تربیت نے صحابہ کرام کا دماغ جس سانچے میں ڈھال دیا تھا وہ ایسا سانچہ تھا جس میں کوئی دوسرے درجہ کا خیال رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ صرف اوّل درجہ کے خیالات کے لئے تھا۔ بہت ممکن ہے کہ دنیا کے تمدّنی علوم و فنون کے رائج نہ ہونے کی وجہ سے کوئی بات علمی طریقوں اور مصطلحہ لفظوں میں نہ ادا کر سکتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات وہ ایک بات کی علّت اُس شکل و صورت میں نہ دیکھتے ہوں جس صورت میں کہ آج دنیا

دیکھ رہی ہے۔ لیکن اُن کی طبیعت کی افتاد اور ذہنیت کی روش کچھ اس طرح کی بن گئی تھی کہ جب کبھی کسی معاملہ پر سوچ بچار کرتے تھے، تو خواہ علّت و موجب سمجھ سکیں یا نہیں، دماغ جاتا اسی طرف تھا، جو علم و حکمت کے بہتر سے بہتر اور بلند سے بلند پہلو ہو سکتے ہیں۔ یہی معنی ہیں انبیاء کرام کے مقام "تزکیہ" کے کہ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ یعنی دل و دماغ کی اس طرح تربیت کر دی جاتی ہے کہ ایک موزوں اور مستقیم سانچہ ڈھل جاتا ہے۔ اب جب کبھی کوئی ٹیڑھی چیز اس میں رکھی جائے گی وہ قبول ہی نہیں کرے گا۔ صرف سیدھی اور موزوں چیزیں ہی اس میں سما سکتی ہیں!

اسلام کی تربیت نے صحابہ کے دل و دماغ میں قومی شرف و خودداری کی روح پھونک دی تھی۔ قومی زندگی کی بنیادیں جن اینٹوں پر استوار ہوتی ہیں، اُن میں سے ایک ایک اینٹ کے لئے اُن کے اندر پہچان اور لگاؤ تھا۔ اگرچہ وہ لفظوں اور تعبیروں میں انہیں بیان نہ کر سکیں جب حضرت عمرؓ نے سنہ اور تاریخ کی ضرورت محسوس کی، تو اگرچہ متمدن اقوام کے سنین رائج و مستعمل تھے، لیکن اُن کی طبیعت ان کی طرف مائل نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ ایسا کرنا نہ صرف قومی شرف و خودداری کے خلاف تھا، بلکہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ کھو دینی پڑتی۔

قومی زندگی کی بنیادی مقومات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ

اور نا تاریخ ہے ۔ جو قوم اپنا قومی سنہ نہیں رکھتی ، وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی ۔ قوم کا سنہ اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے ۔ یہ اُس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحۂ عالم پر اس کے اقبال وعروج کا عنوان ثبت کر دیتا ہے ۔ یہ قومی زندگی کے عروج کی ایک جاری و قائم یادگار ہے ۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی ۔ کیونکہ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے ۔ اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے ۔ آج آگسٹس ، بکرماجیت ، جلال الدین ملک شاہ اور اکبر اعظم کے نام اُن کے سنین کے اندر ہر روز ہمارے سامنے آتے ہیں ۔ اور ہمارا حافظہ اُن سے گردن نہیں موڑ سکتا ۔

ممکن نہ تھا کہ قومی زندگی کا ایک ایسا معاملہ حضرت عمر اور صحابہ کے سامنے آتا اور اُن کا دماغ غلط فیصلہ کرتا ۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی دماغی تربیت غلط ہو جاتی ۔ کچھ ضروری نہیں کہ اُنہوں نے اپنے اس احساس کی کوئی توجیہ و تعلیل بھی کی ہو ۔ نتائج تعبیر اور تعلیل سے نہیں بلکہ فعل صحیح سے پیدا ہوتے ہیں ۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اس کے خلاف میلان پیدا نہ کر سکے ۔ وہ باوجود غیر قوموں کی ہر طرح کی علمی و تمدنی چیزیں قبول کر لینے کے اُن کا سنہ قبول نہ کر سکے ۔ خود بخود ان کی طبیعت کا فیصلہ یہی ہوا کہ قومی سنہ سب سے الگ اور ایسا ہونا چاہیئے جس کی بنیاد اپنی تاریخ کے کسی قومی واقعہ پر ہو ۔ اُنہوں نے اپنے دفتروں کے لئے ایرانیوں

اور رومیوں کی زبان لے لی، اُن کے حساب وکتاب کے قواعد قبول کر لئے
اُن کے حساب کی مصطلحات اور اشارات سے بھی انکار نہیں کیا، لیکن
سنہ اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہو سکے۔ یہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں
میں سے ایک اینٹ تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ یہ اپنی ہو اور اپنے
ہی ہاتھ سے رکھی جائے۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور اسلام نے جو
ذہنیت اُن کی پیدا کر دی تھی، اُسے یہی کرنا تھا۔

متاخرین کی تعلیل و توجیہہ

افسوس ہے کہ صدر اوّل کے مسلمانوں کی تاریخ کا چہرہ متاخرین کی
نقاشیوں سے اپنے اصلی خال وخط کھو چکا ہے۔ ہر عہد کا مؤرخ دراصل اسی
عہد کی دماغی آب وہوا کا مخلوق ہوتا ہے۔ اس لئے سلف کے واقعات
کی تصویر کھینچتے ہوئے اسی رنگ وروغن سے کام لیتا ہے جو اس کے
عہد کی آب وہوا مہیا کر سکتی ہے۔ اسلام کی حقیقی اجتماعی زندگی کا اصلی
دور صحابہ کرام کے عہد پر ختم ہو گیا۔ اور اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا
اُس دور کی معنوی خصوصیات مفقود ہوتی گئیں۔ متاخرین اہل نظر و قلم کا زمانہ
آیا تو یہ وہ وقت تھا، جب صدر اوّل کی دماغی آب وہوا کی جگہ بالکل
ایک مختلف قسم کی فضا نشو ونما پا چکی تھی۔ اس لئے اُن مصنفوں نے جب
اس عہد کے حالات پر قلم اٹھایا تو بجائے اس کے کہ اس عہد کا ذوق و
مزاج پیدا کر کے اس کا مطالعہ کرتے، اپنے عہد کے پیدا شدہ ذوق کے

رنگ میں اس کی ہر بات رنگ ڈالی۔ تاریخ ہی پر موقوف نہیں ہے ہر گوشہ تک اس معاملہ کے اثرات پہنچے۔ حتیٰ کہ فقہ و احکام تک کا گوشہ اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اگر عہد صحابہ سے لے کر آخری عہد تدوین کتب تک کی کتابیں مسلسل موجود ہوتیں اور صدیوں کی ترتیب کے ساتھ ان پر نظر ڈالی جا سکتی، تو صاف نظر آ جاتا کہ صدر اوّل کے واقعات و معاملات بعد کے ہر عہد میں نئے نئے لباس بدلتے آئے ہیں اور ان کی تعبیر و الفاظ کی جزئیات میں ہر عہد کی ذہنی خصوصیات کا پر تو موجود ہے۔ مثلاً اگر تیرہ صدیوں کی تیرہ مسلسل تاریخیں موجود ہوتیں، تو تم انگلی رکھ کر بتلا سکتے کہ صدر اوّل کے ایک ہی واقعہ نے اپنی جزئیات و صورت میں کس طرح تیرہ مختلف لباس پہن لئے ہیں؟

بطور مثال کے اسی واقعہ پر نظر ڈالی جائے۔ امام شعبی کی روایت میں صاف موجود ہے "ولم یحب التاریخات القدیمۃ" یعنی حضرت عمر ایک تاریخ کے تعین کی ضرورت محسوس کر رہے تھے، مگر پسند نہیں کرتے تھے کہ قدیم تاریخیں اختیار کریں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کی تاریخ کا اختیار کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور یہ معاملہ ان کی نظر میں ایسا تھا جس کے لئے ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی ایک قومی تاریخ قرار دی جائے۔ لیکن بعد کے مؤرخین نے اپنے ذوق و میلان طبع کے مطابق اس کی توجیہیں شروع کر دیں۔ واقعہ کی اصلی علّت پر تو نظر نہیں گئی، نئے نئے معنی پہنانے لگے۔ میں یہاں صرف دو

عہدوں کی دو مختلف نظروں کا ذکر کروں گا۔
علامہ مقریزی نے نویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی بے نظیر تاریخ مصر لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں، حضرت عمر اور صحابہ نے ایرانی اور رومی تاریخ پسند نہیں کی۔ کیونکہ دونوں کے حساب میں کبیسہ تھا۔ (یعنی دورۂ ارضی کی کسر پوری کرنے کے لئے چند سالوں کے بعد مہینوں کے دنوں میں کمی بیشی جس طرح کہ تقویم گریگوری میں ہر چوتھے سال ایک دن کی کمی کر دی گئی ہے) چونکہ اسلام نے "نسئ" روکا تھا اور کبیسہ پر نسئ کا شبہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے مناسب نہ تھا کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا۔ مورخ موصوف کو یہ دور از کار دقیقہ سنجی اس لئے کرنا پڑی کہ قومی تقویم کی ضرورت واہمیت کسے لئے اُن کے ذہن میں کوئی جگہ نہ تھی اور چونکہ اور کوئی معقول تعلیل سمجھ میں نہیں آئی، اس لئے ناچار نسئ کی شرعی ممانعت کی وادی میں پہنچ گئے حالانکہ کسی اعتبار سے بھی یہ تعلیل لائق اعتنا نہیں۔ اوّل تو یہ ان روایات کے خلاف ہے جو اوپر گزر چکیں کیونکہ ان میں تمام قدیم تقویموں کی ناپسندیدگی کا ذکر ہے نہ کسی خاص تقویم کا۔ ثانیاً نسئ مصطلحہ جاہلیتہ اور کبیسہ مصطلحہ حساب قطعاً دو مختلف چیزیں ہیں۔ جس نسئ کو اسلام نے روکا اور قرآن نے کفر کی زیادتی سے تعبیر کیا وہ یقیناً قمری مہینوں کی طبعی ترتیب کو اس طرح درہم برہم کر دینا تھا کہ کبھی شعبان محرم بن جاتا تھا اور کبھی رمضان ذوالحجہ قرار پا جاتا تھا۔ اور جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اعمال وطاعات کے معین اوقات الٹ پلٹ ہو جاتے تھے اور ان کے تقرر وتعین کی اہمیت ومصلحت باقی نہیں رہتی تھی۔ لیکن کبیسہ بالکل ایک دوسری

چیز ہے۔ اُس کا مقصد دوسرا ہے اور اس کے اجزا کے نتائج دوسرے ہیں۔ اُس کا کوئی اثر اس طرح کا مرتب نہیں ہوتا۔ وہ محض اس لئے ہے کہ سال بھر کے تین سو ساٹھ دن قرار دے دینے کے بعد جو کسر رہ جاتی ہے، اُسے کچھ عرصہ کے بعد پورا کر دیا جائے تاکہ زیادہ مدت گزرنے کے بعد مہینوں اور برسوں کا فرق نہ بن جائے۔ پس کسی طرح بھی یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ حضرت عمر اور اکابر صحابہ نسئی کی حقیقت سے اس درجہ بے خبر تھے کہ تقویم کے کبیسہ کو بھی نسئی سمجھ لیتے یا انہیں کبیسہ پر نسئی کا شبہ ہو سکتا۔

یہ نویں صدی کی ابتداء تھی لیکن سو برس کے بعد یعنی ہزارویں صدی کے اوائل میں یہی واقعہ ایک دوسرا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی سے تقویم و سنین کے متعلق ایک سوال کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور صحابہ کرام نے رومی اور ایرانی سنہ اختیار کرنے سے اس لئے اجتناب کیا کہ یہ عیسائیوں اور مجوسیوں کا سنہ تھا اور اسلام نے انہیں روک دیا تھا کہ کفار کا طور و طریقہ اختیار کر کے اس کے رواج و قبولیت کا باعث نہ ہوں۔ اب غور کرو بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی؟ کہاں کفار کے طور طریقہ سے اجتناب کا معاملہ اور کہاں یہ معاملہ جو حساب و کتاب کے ایک علمی اصول و قواعد کا معاملہ ہے! حافظ موصوف نے یہ تعلیل کرتے ہوئے عہد فاروقی کی آدھی تاریخ فراموش کر دی۔ اگر اس قسم کے معاملات میں غیر قوموں سے اخذ و استفادہ جائز نہ ہوتا تو حضرت عمر بے شمار معاملات میں ایران و روم کے قدیم انتظامات

اور تمدّنی طریقوں سے فائدہ اٹھانا کیوں جائز رکھتے؟ یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام کو غیر قوموں کی بہت سی باتوں سے اجتناب تھا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتوں کو روکا اور عدم اتباع وتشبّہ پر زور دیا۔ مگر وہ باتیں دوسری ہیں، اُن کا محل دوسرا ہے، مقصد دوسرا ہے اور اثرات دوسرے ہیں۔ اس معاملہ سے اسے کیا تعلق؟

واقعہ ہجرت کا اختصاص

اس جملۂ معترضہ نے بہت طول کھینچا۔ بہر حال اس معاملہ میں پہلی بات جو قابل غور تھی، وہ قومی سنہ کا تقرر اور اس کی اہمیت کا احساس تھا بغیر کسی دور دراز توجیہہ کے اختیار کئے، یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عمر اور اکابر صحابہ کی اس پہلو پر نظر تھی۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ قومی زندگی کی تقویم کے لئے قومی سنہ ضروری ہے۔ اور اس لئے چاہئے کہ یہ باہر سے نہ لیا جائے اندر ہی تیار کیا جائے۔

اس کے بعد دوسرا اہم نقطۂ نظر، واقعہ ہجرت کا اختصاص ہے اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ سنہ کی ابتداء قرار دینے کے لئے جس قدر بھی سامنے کی چیزیں ہوسکتی تھیں، اُن میں سے کسی چیز کی طرف ان کی نگاہ نہ گئی۔ ہجرت نبوی کا واقعہ جو آغاز اسلام کی بے سروسامانیوں اور کمزوریوں کی یاد تازہ کرتا تھا، اختیار کیا گیا، آخر اُس کی علّت کیا تھی؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لئے قدرتی طور پر جو چیزیں

سامنے کی تھیں، وہ اسلام کا ظہور تھا، داعیٔ اسلام کی پیدائش تھی، نزول وحی کی ابتدا تھی۔ بدر کی تاریخی فتح تھی، مکہ کا فتح مندانہ داخلہ تھا، حجۃ الوداع کا اجتماع تھا، جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا لیکن ان تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرت مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ تو کسی پیدائش کا جشن ہے، نہ کسی ظہور کی شوکت۔ نہ کسی جنگ کی فتح ہے، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیانہ، بلکہ اُس زمانہ کی یاد تازہ کرتا ہے جب آغاز اسلام کی بے سرو سامانیاں اور ناکامیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعیٔ اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہو گیا تھا۔ بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز و اقارب اور اپنا سب کچھ چھوڑ کہ صرف ایک رفیق غمگسار کے ساتھ رات کی تاریکی میں، رہ سپار وحشت غربت ہوا تھا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور صحابہ کے سامنے بھی یہ نمونے موجود تھے۔ لیکن وہ ان کی تقلید پر آمادہ نہ ہو سکے اور انہوں نے بالکل ایک دوسری راہ اختیار کی۔

دُنیا کے قومی سنین

قومی سنہ، دراصل قوم کی پیدائش اور عروج و اقبال کی تاریخ ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ قومیں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی

واقعہ یاد رکھنا چاہتی ہیں۔ اس کا دور ہر بارہ مہینے کے بعد ختم ہوتا اور از سر نو شروع ہوتا ہے اور اس طرح سال نو کی مسرتوں کے ساتھ اس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی بنیاد کسی ایسے واقعہ پر نظر آتی ہے جس سے کسی قومی فتح و اقبال کا آغاز ہوا ہے۔ چونکہ اس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا ہے یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے یا کسی بڑی جنگ کی فتح اور کسی نئی سرزمین کے قبضہ و تسلط سے۔ اس لئے دنیا کے اکثر سنون کی ابتدا مشاہیر و اکابر کی پیدائش اور تخت نشینی ہی سے ہوتی ہے۔ بیرونی نے آثار الباقیہ نامی کتاب صرف سنین و تواریخ کے موضوع پر لکھی ہے اور اس درجہ کی لکھی ہے کہ آج بھی اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جا سکتی۔ وہ دنیا کے تمام سنین کا استقصا کر کے لکھتا ہے۔

"قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیانِ حکومت و مذاہب کی پیدائش، پادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت ملکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب و انتقال اور حوادثِ عظیمہ ارضیہ سے تواریخ و سنین کی ابتدا کیا کرتے ہیں۔"

قدیم سنون میں بابلی، یہودی، رومی، مسیحی، ہندوستانی اور ایرانی سنین سب سے زیادہ مشہور و مستعمل رہے ہیں۔ ان سب کی ابتدا کسی ایسے ہی واقعہ سے ہوتی ہے۔ بابلی سنہ کی بنیاد بخت نصر اوّل کی پیدائش پر رکھی گئی تھی کیونکہ اس کے ظہور سے بابل کی عظمت کا آغاز ہوا۔ یہودیوں نے

پہلے مصر سے خروج کے واقعہ پر سنہ کی بنیاد رکھی تھی۔ کیونکہ اسی واقعہ سے اُن کی قومی آزادی کا دور شروع ہوتا تھا۔ پھر جب فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہوگئی، تو حضرت سلیمانؑ کی تخت نشینی سے بھی سنہ کا حساب کرنے لگے۔ پھر ہیکل کی بربادی کے بعد جب دوبارہ تعمیر کا واقعہ ظہور میں آیا، تو چونکہ اس سے یہودیوں کے اجتماع و توطن کا نیا دور شروع ہوتا تھا، اس لئے اس کی یادآوری کے جذبہ نے تاریخ و سنہ کی صورت اختیار کرلی۔ رومیوں کا سب سے زیادہ مشہور سنہ اسکندری سنہ ہے جو سکندر فاتح کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ پھر آگسٹس کی پیدائش سے نیا سنہ شروع ہوا جس کی فتح مندیوں نے رومی عظمت کا نیا دور شروع کر دیا تھا۔ مسیحی سنہ کا تو نام ہی میلادی سنہ ہے۔ یعنی اس کی ابتدا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر رکھی ہے۔

ہندوستان میں جہاں ہر گروہ کے لئے الگ الگ زبان اور الگ الگ بیٹھنے قرار دیا گیا تھا، وہاں مختلف حلقوں کے لئے مختلف سنہ بھی قرار پاگئے تھے۔ جوتشیوں نے اپنے حساب کے لئے خاص جوتشی سنہ قرار دیا تھا۔ عوام اپنی یادداشت کے لئے الگ سنہ رکھتے تھے۔ حکومتوں اور بادشاہوں کے سنہ اُن کے لئے مخصوص تھے، مگر ان سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر تھی۔ آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آج تک مستعمل ہے، بکرماجیتی سنہ ہے اور یہ راجہ بکرماجیت کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ ایرانیوں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوتے

سب کی ابتدا و پیدائش، تخت نشینی اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقالِ حکومت کا واقعہ ہے۔ اور اس رسم کی کہ ہر بادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کر کے اپنی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اسے سنہ جلوس کہا جائے، ایرانیوں ہی نے بنیاد ڈالی مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہے۔ تو ایران کا سرکاری سنہ یزدگرد آخری فرمانروائے ایران کا سنہ جلوس تھا۔

حضرت عمرؓ کا تردّد

اُن روایات سے جو پچھلی تحریر میں درج ہو چکی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو بھی ابتداء میں یہی خیال ہوا تھا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتدا کی جائے۔ سعید بن مسیب اور یعقوبی کی روایت میں ہے کہ آپ نے جب حضرت علیؓ سے مشورہ کیا تو اُن کی رائے یہ ہوئی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہیے۔ یہ بات آپ کے دل میں اتر گئی اور صحابہ بھی اس سے متفق ہو گئے۔ ابن مہران کی روایت میں ہے کہ مبداءِ تاریخ کے بارے میں حسب معمول صحابہ نے مشورہ کیا تھا۔ مختلف رائیں، لوگوں نے دیں۔ بالآخر سب اس پر متفق ہو گئے کہ واقعۂ ہجرت سے ابتداء کی جائے۔ فاتفقوا علی ان یکون المبدء من الھجرۃ۔ ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ پر اچھی طرح غور و فکر کیا گیا تھا اور ہر طرح کی رائیں ظاہر ہوئی تھیں۔ چونکہ سامنے کی صاف بات یہی تھی کہ

آنحضرتؐ کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے جو ظہورِ اسلام کی اصلی بنیاد ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ کا خیال ابتدا میں اسی طرف گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کوئی بات اس میں ایسی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اس پر انشراح نہیں ہوتا تھا، متردد تھے۔ بات قریبنہ کی تھی مگر دل میں بیٹھتی نہ تھی۔ بالآخر مزید مشورہ کیا اور حضرت علی علیہ السلام نے رائے دی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہیئے۔ یہ رائے اتنی بہتر اور جچی تلی تھی کہ فوراً حضرت عمرؓ کے دل میں اتر گئی اور تمام اکابر صحابہ بھی اس پر متفق ہو گئے۔ گویا ایک بھولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہو گئی۔ اب معلوم کرنا چاہیئے کہ واقعہ ہجرت کی وہ کون سی مناسبت تھی جس نے حضرت علیؓ کو کہ مدینۂ علم نبوت کے باب اور حکمت وسنت رسالت کے محرم اسرار تھے اس طرف توجہ دلائی؟ اور پھر وہ کون سی ایسی مشہور و معلوم خصوصیت تھی، جس کی وجہ سے اتنی دُور کی بات تمام اکابر صحابہ کے فہم میں فوراً در آئی۔ اور اس طرح تسلیم کر لی گئی، جیسے ایک مسلّم اور طے شدہ بات ہو ۔۔۔؟

واقعہ ہجرت صحابہ کی نظر میں

ہاں، آج ہمارے لئے کہ اسلام کے صدرِ اوّل کا دماغ اور رُوح دونوں کھو چکے ہیں، یہ بات کتنی ہی تعجب انگیز ہو، مگر صحابہ کرام کے لئے جو اسلام کے بخشے ہوئے دل اور اُس کے بنائے ہوئے دماغ دونوں کے

مالک تھے، یہ بات اتنی صاف، اتنی کھلی ہوئی اور اس طرح جانی بوجھی ہوئی تھی کہ اس کی طرف ایک اشارہ کر دینا ہی کافی تھا۔ داعی اسلام کے تزکیہ و تربیت اور درس کتاب و حکمت نے اُن کے اندر ایک ایسا صالح مزاج پیدا کر دیا تھا کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی سامنے کی اور مقبول و معمول کیوں نہ ہو، لیکن اگر حقیقت اور دانائی سے ذرا بھی ہٹی ہوئی ہوتی تھی، تو فوراً اُن کی طبیعت میں کھٹک پیدا ہو جاتی تھی۔ اور پھر جبھی تھی تو اسی وقت جب اصلی اور کامل چیز سامنے آ جاتی تھی۔ تم ان لوگوں کی نیکیاں اور پاکیاں ہمیشہ یاد رکھتے ہو، لیکن تم نے اُن کے علم اور دانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں حالانکہ صرف اُن کے دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ اُن کی دانائی و حکمت بھی سب سے زیادہ گہری تھی۔ جیسا کہ خود انہی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا،

اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کانوا
افضل ھذہ الامۃ: ابرھا قلوبًا واعمقھا علمًا واقلھا
تکلفًا اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ

(عن عبداللہ ابن مسعود۔ رواہ الدارمی)

اس بارے میں قوموں کا طریقہ اُن کے سامنے آیا اور خود انہیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعی اسلام کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بنیاد ٹھہرائیں، لیکن یہ بات اس معیار نظر سے ہٹی ہوئی تھی، جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا۔ اس لئے نہایت واضح اور نمایاں

ہونے پر بھی اُن کی طبیعت کو مطمئن نہ کر سکی۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگے کہ کوئی دوسری بات ہونی چاہیئے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ، جونہی یہ بات سامنے آئی، سب کے دلوں نے قبول کر لی تاریخ کا یہ مبدا دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرف خلاف ہی نہ تھا بلکہ صریح اُلٹا تھا۔ دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں، اُنہوں نے بے چارگی اور درماندگی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں۔ اُنہوں نے چاہا اپنی تاریخ ظہور کی سب سے بڑی بے سروسامانی یاد رکھیں۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ تھا کہ اُن کی قومی تاریخ اس وقت سے شروع ہو، جب اُن کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا اور اُس نے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی۔ لیکن ان کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اُس دن سے ہوئی، جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی۔ دنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ ان کی طاقت و شوکت کی بنیاد اس وقت پڑی جب اُنہوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کر لیا۔ اُن کا یقین یہ تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اُس دن کھلا، جب ملکوں پر اُنہوں نے قبضہ نہیں کیا بلکہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کر دیا۔ بلا شبہ اُن کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے اُلٹی سمجھ تھی، لیکن اُس سمجھ سے عین مطابق تھی، جو اسلام کی تربیت نے اُن کے اندر پیدا کر دی تھی، وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی

تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی روح فکر و عمل سے کرنی چاہیئے تھے۔

مصیبت یہ ہے کہ دنیا معنے سے زیادہ لفظ کی اور رُوح سے زیادہ جسم کی پرستار تھی۔ وہ پھل ڈھونڈھتی ہے لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی۔ وہ منارۂ و محراب کی بلندیاں اور خوش نمائیاں دیکھتی ہے لیکن زیرِ زمین بنیادوں کے لئے نگاہ نہیں رکھتی۔ صحابہ کرام نے جب پیدائش و بعثت کے واقعاتِ عظیمہ ترک کرکے ہجرت کا واقعہ انتخاب کیا، تو اُن کی نظر بھی پیدائش وظہور، فتح و اقبال اور جشن و کامرانی ہی پر تھی۔ وہ کچھ ناکامی و نامرادی کے طلب گار نہ تھے۔ البتہ وہ فتح و اقبال کی صورت اور برگ و بار نہیں دیکھتے تھے، حقیقت اور تخم و اساس پر نظر رکھتے تھے۔ اُن پر حقیقت کھل چکی تھی کہ اسلام کی پیدائش وظہور اور فتح و اقبال کی اصلی بنیاد اُن واقعات میں نہیں ہے، جو بظاہر نظر آتے ہیں۔ ہجرت مدینہ اور اُس کے اعمال و حقائق میں ہیں۔ اس لئے جو اہمیت دنیا کی نگاہیں پیدائش، بعثت، بدر اور فتح مکہ کو دیتی تھیں، وہ اُن کی نظروں میں ہجرتِ مدینہ کو حاصل تھی۔

ہجرتِ نبوی کی حقیقت

لیکن واقعۂ ہجرت کیا تھا ــــــ؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا بیشمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اُس کی حقیقت پر بھی غور

کر لینا چاہیئے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی عہدوں میں منقسم ہے۔ ایک عہد مکّہ کی زندگی اور اعمال کا ہے۔ دوسرا مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔ پہلا آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتداء غار حرا کے اعتکاف سے ہوتی ہے اور تکمیل غار ثور کے انزوا پر۔ دوسرا ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتداء مدینہ کی فتح سے ہوئی اور تکمیل مکّہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دَور، دوسرا دَور تھا۔ کیونکہ اسی دَور میں اسلام کی پہلی غربت ختم ہوئی اور ظاہری طاقت و حشمت کا سروسامان شروع ہوا۔ بدر کی جنگی فتح ہتھیاروں کی پہلی فتح تھی مکّہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلانِ عام تھا۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اس کی زندگی کا اصلی دور، دوسرا نہیں پہلا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسرے میں نہیں پہلے دور میں استوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتھیاروں نے اپنی غیر مسخر طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا لیکن سوال تھا ان ہتھیاروں کے قبضوں پر جو ہاتھ تھے، اُن کی طاقتیں کس میدان میں تیار ہوئی تھیں ———؟ بلاشبہ مکّہ کی فتح عرب کی فیصلہ کُن فتح تھی، لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی، تو مکّہ کی فتح کی راہ کیوں کر کھلتی؟ یہ سچ ہے کہ مکّہ ہتھیاروں سے فتح ہوا لیکن مدینہ ہتھیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت

اور اس کے دور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دور میں جسم کتنا ہی طاقتور ہو گیا ہو، لیکن اُس کی روح پہلے ہی دور میں ڈھونڈھنی چاہیئے۔

پہلا دَور تخم تھا، دوسرا اس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دور بنیاد تھی، دوسرا استون و محراب تھا۔ پہلا نشو و نما کا عہد تھا، دوسرا ظہور و انفعال کا۔ پہلا معنی و حقیقت تھا، دوسرا صورت و اظہار۔ پہلا روح تھا، دوسرا جسم۔ پہلے نے پیدا کیا، درست کیا، اور مستعد کر دیا، دوسرے نے قدم اٹھایا، آگے بڑھا اور فتح و تسخیر کا اعلان کر دیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو لیکن اوّلیں بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہے۔

استعداد داخلی و خارجی

وجود اور زندگی کے ہر گوشہ کے لیئے خدا کا قانونِ وجود ایک ہی ہے۔ تم اُس کے کتنے ہی مختلف نام رکھ دو مگر وہ خود ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ اب ایک لمحہ کے لیئے ٹھہرو اور غور کرو کہ تخلیق و تکمیل وجود کے لیئے خدا کا قانون حیات کیا ہے؟

فرد کی طرح جماعت کا بھی وجود ہے۔ عالم صورت کی طرح عالم معنی بھی اپنی ہستی رکھتا ہے۔ لیکن کوئی چیز ہو تخلیق و تکمیل کے لیئے ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے دو مختلف دوروں سے گزرے۔ پہلا دور "استعداد داخلی" کا ہے، دوسرا "استعداد خارجی" کا۔ ضروری ہے کہ پہلے اندر کی استعداد

وجود میں آئے اور ضروری ہے کہ اندر کی استعداد کی تکمیل کے ساتھ ہی باہر کی استعداد بھی اس کے اندر پیدا ہو جائے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے مثال کی ضرورت ہے۔ خدا کی رحمت و ربوبیت نے تمام کائنات ہستی کو بخشش کا خزانہ اور فیضان عام کی بارش بنا رکھا ہے۔ زندگی اور وجود کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان میں سے ہر چیز موجود ہے اور اس کی موجودگی صرف اس لئے ہے تاکہ استعداد کو ڈھونڈھے، صلاحیت کو پالے اور انفعال کو فعل سے اور انجذاب کو جذب سے مالا مال کر دے۔ سورج روزآسمان پر چمکتا ہے، ستارے ہمیشہ زمین کی طرف جھانکتے ہیں۔ ہوائیں یکساں گرم جوشی سے چلتی ہیں، بادلوں کی رفتار میں کبھی رکاوٹ نہیں پڑتی، سورج کی کرنیں سمندروں کو کھینچنے اور پانی کے ذخیرے جمع کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ زمین کی سطح اپنے سارے خزانے لئے ہوئے موجود ہے۔ خاک کے ذرّوں میں سے ہر ذرّہ اپنا خاصہ اور اپنی تاثیر رکھتا ہے۔ موسموں کی تبدیلی اور لیل و نہار کی گردش بھی اپنے مقصد اور حکمت سے باہر نہیں یہ اور اسی طرح کی تمام ان گنت اور بے حد و حساب چیزیں۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔	اور اگر تم خدا کی نعمتیں اور بخشائشیں شمار کرنی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی تمہارا اندازہ احاطہ نہیں کر سکتا۔

قوتوں کا خزانہ اور بخشائشوں اور ربوبیتوں کا فیضان عام ہیں اور

اپنی مجموعی صورت میں کائنات ہستی کی وہ "خارجی استعداد ہے" جو وجود کے لئے علق وتسویہ کا سامان مہیا کرتی اور ہمیشہ اس کے انتظار میں چشم براہ رہتی ہے۔ لیکن خارج کی اس استعداد سے صرف وہی اشیاء فائدہ اٹھا سکتی اور اپنے حصہ کی بخشش پا سکتی ہیں جن کے اندر خود ان کے "اندر کی استعداد" وجود میں آگئی ہے۔ یہ اندرونی استعداد باہر کے کارخانہ استعداد کی تاثیر کے لئے بمنزلۂ انفعال ہے۔ جب تک انفعال کا لبِ سوال وا نہ ہوگا فعل و تاثیر کا جوابِ فیضان حرکت میں نہیں آ سکتا۔

دہقان ایک بیج اٹھاتا ہے اور زمین کے حوالے کر دیتا ہے اب دیکھو، اس بیج کے بارآور ہونے کے لئے قدرت الٰہی نے کس طرح اپنا تمام کارخانۂ ہستی مہیا کر دیا ہے ——— ؟ سورج منتظر ہے کہ اپنی گرمی اس کے لئے وقف کر دے۔ بادل تیار ہیں کہ اپنے ذخیروں کا منہ کھول دیں، زمین مستعد ہے کہ اپنی آغوش اس کے لئے وا کر دے۔ لیکن اس تمام کارخانۂ بخشش سے وہ جبھی فائدہ اٹھا سکتا ہے جب کہ خود اس کے اندر کی استعداد صحیح و سالم ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر یہ تمام کارخانۂ بخشش و نوال اس کے لئے بیکار ہوگا سورج اپنا دہکتا ہوا تنور رکھنے پر بھی اُسے گرم نہ کر سکے گا، بادل اگر اپنا تمام ذخیرۂ آب ختم کر ڈالے جب بھی اُسے زندگی کی رطوبت کا ایک قطرہ نہیں ملے گا۔

پھر ایک صالح بیج جب زمین میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے۔ تو اس کے اندر کی استعداد ظاہر ہوتی ہے۔ اور اندر ہی اندر پکنے اور بڑھنے لگتی

ہے۔ اُس وقت وہ ایک چھوٹا سا وجود ہوتا ہے جس کے اندر باریک ذرّوں اور ریشوں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی لیکن انہی ذرّوں اور ریشوں کے اندر اس کی آنے والی ہستی کی ساری بڑائیاں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے ایک عظیم اور تناور درخت کی ساری ٹہنیاں اور پتّے اور اُس کے ہزاروں پھول اور پھل انہیں ذرّوں اور باریک ریشوں کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ وہ بتدریج نشو و نما پاتا ہے اور یکے بعد دیگرے تخلیق و تسویہ کے مختلف درجوں سے گزرتا ہے۔ پھر جب یہ سب کچھ ہو چکتا ہے، تو وہ وقت آجاتا ہے جب زمین کی سطح چاک ہوتی ہے اور اُس کی پہلی شاخ باہر نکلتی ہے۔ چنانچہ وہ اُبھرتا ہے اور کائناتِ فطرت کے جس کارخانۂ فیضان سے زمین کے اندر اکتساب فیض کر رہا تھا، اب اُس سے زمین کی سطح پر بخشش و نوال حاصل کرنے لگتا ہے۔ اُس وقت تم دیکھتے ہو کہ عالمِ نباتات کا یہ جوان نو خاستہ سرو قد کھڑا ہے اور کارخانۂ فطرت کے ہر سامان سے زندگی اور قوت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اب تم اُس کی ہستی کا اعتراف کرتے ہو، لیکن تم بھُول جاتے ہو کہ باہر کی استعداد اُس کے لئے جو کچھ بہم پہنچا رہی ہے، یہ دراصل اسی استعداد کا جواب اور نتیجہ ہے، جو زمین کے اندر اُس کی داخلی طبیعت نے پیدا کر لی تھی۔

عالمِ حیوانات میں دیکھو تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے حیوان اور انسان کا وجود عالمِ ہستی میں قدم رکھتا ہے اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی منزلیں طے کرتا ہے۔ دراصل یہ وہی وجود ہے جو پہلے

خود اپنی ہستی کے اندر تخلیق و تکمیل کی منزلیں طے کر چکا ہے۔ اگر اُس کی داخلی استعداد کا یہ دور وجود ہی میں نہ آتا؟ وہ پہلے شکم مادر میں جنین کا ابتدائی مادہ تھا۔ پھر اندر ہی اندر بڑھنے اور پھیلنے لگا۔ بتدریج تخلیق و تسویہ کی مختلف منزلیں وجود میں آئیں۔ پہلے چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے، جنہوں نے ایک جونک کی سی شکل اختیار کر لی۔ پھر یہ جونک بڑھتے بڑھتے گوشت کا ایک لوتھڑا بن گئی، لوتھڑے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بننا شروع ہوا، اور ڈھانچے پر گوشت پوست کا غلاف چڑھ گیا۔ پھر گوشت اور ہڈیوں کا یہی مجموعہ نظم و تناسب کے ایک ایسے سانچے میں ڈھل گیا کہ شکل و ہیئت کی تمام باریکیاں اور خال و خط کی ساری دلآویزیاں مکمل ہو گئیں۔ پھر جب اندر ہی اندر تکمیل و تسویہ کے یہ تمام مراتب طے ہو گئے، تو یہ وجود اس قابل ہوا کہ شکم مادر سے باہر قدم نکالے۔ اور تم نے دیکھا کہ خلقت اور ہستی کا ایک زندہ اور مستعد وجود تمہارے سامنے ہے ——— ثم انشانٰہُ خلقاً اخر، فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین!

بہر حال دنیا میں ہر چیز کی تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کارخانۂ فیضانِ فطرت سے اکتسابِ فیض کی صحیح استعداد پیدا نہیں کر سکتی۔ خارج کے نشو و نما کے لئے داخل کا نشو و نما، بمنزلہ سبب و علّت ہے، جب تک سبب موجود نہ ہوگا، نتائج ظہور میں نہیں آئیں گے۔

جماعت کی داخلی استعداد

فرد اور جماعت دونوں کا ایک ہی حال ہے۔ یہ افراد و اشیاء کی

مثالیں تھیں۔ انہی کو جماعتوں اور قوموں پر بھی منطبق کرو۔ اشیاء و افراد کی طرح جماعت بھی پیدا ہوا کرتی ہے۔ اس کی تخلیق، نشوونما اور ترقی و تکمیل کے لئے بعینہٖ وہی قوانین ہیں، جو اشیاء و افراد کے لئے ہیں۔ جس طرح فطرت الٰہی کی ربوبیت نے مخلوقات کی زندگی اور نشوونما کے لئے اپنی بخششوں کے بادل زمین پر پھیلا دیئے ہیں۔ ہر شے زندگی دینے والی، ہر شے پرورش کرنے والی اور ہر شے وجود و کمال تک لے جانے والی ہے۔ ٹھیک اسی طرح "جماعت" اور "اُمّت" کے ظہور اور نشو کے لئے بھی ہر طرح کی بخششوں اور ہر طرح کی فیض رسانیوں کا سامان مہیّا کر دیا ہے۔ ربوبیّت اُس کے ظہور کا انتظار کرتی اور بخشائش فطرت اُس کے قدم اٹھانے کی راہ تکتی ہے لیکن جس طرح افراد و اشیاء کے لئے فطرت کا تمام سامان فیض صرف اُسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جب کہ خود اُن کے اندر صحیح و صالح استعداد موجود ہو، اسی طرح "جماعت" کا مولود بھی وقت کے فیضان اور قومی و مرزبومی ماحول کی بخشائشوں سے اسی حالت میں فائدہ اٹھا سکتا ہے، جب کہ خود اُس کے اندر اکتساب و انفعال کی صحیح استعداد موجود ہو۔ پھر جس طرح اس استعداد کی تکمیل کا پہلا مرحلہ داخلی ہے دوسرا خارجی، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی مزاجی استعداد کے لئے بھی پہلا مرحلہ داخلی ہے دوسرا خارجی۔ کوئی جماعت، کوئی قوم، انسان کی کوئی ہیئت اجتماعیہ، کشمکش حیات کی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتی، اگر پہلے ایک تخم اور جنین کی طرح اپنی داخلی استعداد کی منزل طے نہیں کر لیتی۔ اس کی داخلی تخلیق و تکمیل کا بھی ایک معیّن

وقت اور وقت کی معین مقدار ہے۔ اگر ایک جماعت وجود وکمال کا پورا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے، تو ناگزیر ہے کہ پہلے داخلی استعداد کی تکمیل کا وقت بسر کرلے، اس کے بعد خارج کے اعمال وفتوح کا دروازہ خود بخود اس پر کھل جائے گا۔ کیونکہ خارج کی تمام کامرانیاں اس کی داخلی استعداد کی تکمیل کا نتیجہ وثمرہ ہوتی ہیں۔

جس طرح اشیاء وافراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دار و مدار اس کے اندر ہی اندر نشو و نما پانے اور اندر ہی اندر پکنے پر ہے، اسی طرح فرد اور جماعت کی دماغی اور اخلاقی استعداد کا دار و مدار ان کی تعلیم وتربیت پر ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں "تزکیہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "تزکیہ اخلاق ونفس" سے مقصود یہ ہے کہ ایک جماعت کو بحیثیت ایک جماعت کے جس طرح کے ذہن ومزاج کی ضرورت ہے، وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا کر دیا جائے اور اس رسوخ ونفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے گویا ایک آہنی کالبد ہے کہ اس میں سے ہر فرد کا دل و دماغ اس میں ڈھالی دیا گیا ہے۔ جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہتر خلقت اور بہتر نشو و نما طاقت وبرتری کا موجب ہوتی ہے، اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے ان کے افراد کا اخلاق اور اخلاق کی بہتر قسم اور بہتر نشو و نما جماعتی طاقت اور برتری کا باعث ہوتی ہے۔ یہی اخلاق "جماعت" کی زندگی کی اصلی استعداد ہے۔ اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تزکیۂ نفوس کا عمل یہی استعداد

پیدا کرتا ہے۔ اسی کی تولید، تکمیل، جماعتوں اور قوموں کی "داخلی استعداد" ہے۔

جماعت کی داخلی استعداد کے لئے جس ذہنی واخلاقی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اگرچہ فرداً فرداً ہر جماعت سے تعلق رکھتی ہے لیکن اس کا سارا زور "جماعتی ذہن و اخلاق" کی طرف ہوتا ہے یعنی وہ جماعت کے لئے ذہن و اخلاق کا ایک خاص مزاج پیدا کر دینا چاہتی ہے چونکہ یہ مزاج پیدا نہیں ہوسکتا، جب تک جماعت کا ہر فرد اپنا انفرادی ذہن و اخلاق معدوم کر کے جماعتی مزاج پیدا نہ کرلے۔ اس لئے وہ ذہن و عمل کا ایک خاص سانچا ڈھال لیتی ہے اور پھر تمام افراد کا ذہن واخلاق اسی میں ڈھالنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام افراد کی ذہنی واخلاقی خصوصیات ایک ہی انداز اور روش کی ہو جاتی ہیں۔ اور اپنے بے شمار انفرادی اختلافات رکھنے پر بھی ذہن واخلاق کی طبیعت میں یک قلم تماثل اور تشابہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اُن کی خواہشیں یکساں نہیں ہوسکتیں اور یکساں نہیں ہوتیں۔ ان کی طبیعتوں کی عام روش ایک طرح کی نہیں ہوسکتی اور ایک طرح کی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی سمجھ میں، اپنی رائے میں، اپنی زندگی ومعیشت کے تمام معاملات میں ایک نہیں ہوسکتے اور ایک نہیں ہو جاتے۔ لیکن وہ ذہن وعمل کی اُن ساری باتوں میں جو جماعتی زندگی کی بنیادیں اور اخلاق و سیرت کی فضیلت کا معیار ہیں۔ اسی طرح یکساں اور ایک نگاہ وعمل ہو جاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، سب کے اندر ایک ہی دماغ کام کر رہا ہے اور سب

کے اندر ایک ہی روح بول رہی ہے۔

یہ موقعہ نہیں ہے کہ اطناب سے کام لیا جائے، ورنہ ضرورت تھی کہ اُن اخلاق وخصائص میں سے ایک ایک چیز کی شرح وتفصیل کی جاتی اور واضح کیا جاتا کہ قرآن وسنت نے جماعتی طبیعت کے کیا کیا بنیادی اوصاف بتلائے ہیں اور اس کی داخلی استعداد کے ارکان ومبادی کیا کیا ہیں؟

بہرحال اشیاء وافراد کی طرح جماعات واقوام میں بھی زندگی کی اصلی سرچشمگی اُن کی داخلی استعداد میں پنہاں ہوتی ہے نہ کہ خارجی اعمال میں کیونکہ خارج کے اعمال اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ داخلی استعداد کے لازمی نتائج وثمرات ہیں۔

پہلا دَور داخلی استعداد کا دَور تھا

ظہورِ اسلام کا پہلا دَور جو بعثت سے شروع ہوکر ہجرت پر ختم ہوا اور جس کا نقطۂ تکمیل ہجرت کا معاملہ تھا۔ دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دور تھا اور اس لئے ظہورِ اسلام کی تمام فتح مندیوں اور کامرانیوں کا مبدء یہی دور تھا نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دور، بلاشبہ دنیا کی ظاہر بین نگاہوں میں یہ دور مصیبتوں کا دور اور بے چارگیوں اور درماندگیوں کا تسلسل تھا۔ لیکن بباطن اُمتِ مسلمہ کی ہر آنے والی فتح مندی اسی کی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشوونما پا رہی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو "جماعت" کے ذہن واخلاق

کے لئے تعلیم و تربیت کا مدرسہ اور تزکیہ نفوس وارواح کا امتحان گاہ تھیں
بدر کے فتح مند اسی کے اندر سبق لے رہے تھے۔ فتح مکہ کے کامران اسی
کے اندر بن اور ڈھل رہے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یرموک اور کا وسیہ کی پیدائش
بھی اسی کی آزمائشوں اور خود فروشیوں میں ہو رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن
حکیم نے اس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحہ سے کرنا پڑا تھا
لیکن نفس و اخلاق کے تزکیہ و تربیت کا جو جہاد اس پہلے دور میں ہو رہا تھا
اُسے "جہاد کبیر" سے تعبیر کیا کیونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد یہی جہاد تھا۔ فلا
تطع الکافرین وجاھدھم بہ جہادًا کبیرًا۔
بالاتفاق سورۂ فرقان مکی ہے۔ مکی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا
گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا۔ صبر و استقامت اور عزم و ثبات
کا جہاد تھا اور انہی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد اصلی بنا دیں
تھیں۔

ہجرت تکمیل کار کا اعلان تھی

ہجرت کا واقعہ اس دور کی مصیبتوں کی انتہا تھا۔ اس لئے اس کی برکتوں
اور سعادتوں کی بھی آخری تکمیل تھا۔ صحابۂ کرام اس حقیقت سے بے خبر
نہ تھے۔ اور کیوں کر بے خبر ہو سکتے تھے۔ جب کہ اُن کی دماغی تربیت کی
اصلی روح اسی معاملہ میں مضمر تھی؛ پس جب یہ سوال سامنے آیا کہ اسلامی
سنہ کی ابتدا کس واقعہ سے کی جائے؟ تو انہیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو

ہوئی جو اُمت کے قیام و اقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ آنحضرتؐ کی پیدائش کا واقعہ یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اُس کے تذکار میں شخصیت سامنے آتی تھی، شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔ بعثت کا واقعہ سب سے بڑا واقعہ تھا، لیکن وہ معاملہ کی ابتداء تھی، انتہا و تکمیل نہ تھی۔ بدر کی جنگ اور مکہ کی فتح، عظیم واقعات تھے لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بنیاد نہ تھے، کسی دوسری بنیاد کے نتائج و ثمرات تھے۔ یہ تمام واقعات ان کے سامنے آئے، لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہو سکیں۔ بالآخر جب ہجرت کا واقعہ سامنے آگیا، تو سب کے دلوں نے قبول کر لیا کیونکہ انہیں یاد آگیا، اسلام کے ظہور وعروج کا مبداء حقیقی اسی واقعہ میں پوشیدہ ہے اور اس لئے یہی واقعہ ہے جسے اسلامی تاریخ کا مبدء بننا چاہیئے۔

ہجرت مدینہ کی فتح تھی

اور پھر یہ حقیقت کس درجہ واضح ہو جاتی ہے جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اس کی تکمیل ہجرت ہی کے واقعہ سے ہوئی۔ تمہیں مدینہ کے ساتھ فتح کا لفظ سُن کر تعجب ہوا ہوگا کیونکہ تم صرف اسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہے۔ لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ میدانِ جنگ کی فتح سے بھی بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور روحوں کی اقلیموں کی فتح ہے اور اسی فتح سے میدانِ جنگ کی فتح مندیاں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ عین اس وقت جب

کہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے مایوس ہوگیا تھا باشندگانِ یثرب کی ایک جماعت پہنچتی ہے اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہو کر اپنی روح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہے۔ اُس وقت دنیوی جاہ و جلال کا نام و نشان نہیں ہوتا، سیف و سنان کی ہیبت و جبروت کا وہم و گمان نہیں کیا جا سکتا۔ سرتاسر غربت اولیٰ کی بے سرو سامانیاں اور عہد مصائب و محن کی درماندگیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ یثرب کی پوری آبادی اُس کے سامنے جھک جاتی ہے اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق و اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے تیار ہو جاتی ہے، جو تاریخ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میسّر نہ آئی ہوگی۔ قیس بن صرمہ انصاری نے کیسے سچے اور دلنشیں لفظوں میں اہل مدینہ کے جوش و خروش ایمانی کی تصویر کھینچی ہے؟ وکان عبد اللہ ابن عباس یختلف الیہ ویتحفظ منہ ھٰذہ الابیات:-

ثوی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ — یذکر لو یلقی حبیباً مواتیا
ویعرض فی اہل المواسم نفسہ — فلم یر من یؤوی ولم یر داعیا
فلما اتانا واستقرت بہ النوی — واصبح مسروراً بطیبۃ راضیا
واصبح لا یخشیٰ ظلامۃ ظالم — بعید ولا یخشیٰ من الناس باغیا
بذلنا لہ الاموال من جل مالنا — وانفسنا عند الوغیٰ والتاسیا
نعادی الذی عادیٰ من الناس کلہم — جمیعاً، وان کان الحبیب مصافیا
ونعلم ان اللہ لا رب غیرہٗ — وان کتاب اللہ اصبح ہادیا

دلوں اور روحوں کی اس فتح وتسخیر سے بڑھ کر بھی اور کوئی فتح ہو سکتی تھی؟ لیکن یہ فتح کیوں کر ہوئی؟ دورِ ہجرت کے آلام ومحن میں اس کا آغاز ہوا اور ہجرت نے اس فتح کی تکمیل کر دی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرت کا ذکر اس طریقہ پر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیے سروسامانی وغربت کے اس عمل ہی میں فتح ونصرت الٰہی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ تھی۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ
اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰهُ
سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ
لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ
كَفَرُوا السُّفْلٰی ط وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ
الْعُلْیَا ط وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ○

غار کے دو ساتھیوں میں سے جب ایک نے دوسرے سے کہا۔ غم ورنج نہ کرو یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اور اس کی مشیت وحکمت ہمارے لئے فتح ونصرت کی راہ باز کرنے والی ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ خدا نے اپنی تسکین وطمانیت اس پر اتار دی اور فتح ونصرت کے ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں دنیا کی ظاہر بین اور حقیقت ناآشنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے ہمیشہ کے لئے پست ہوگئی اور کلمۂ حق ہی کو سربلندی اور کامیابی حاصل ہوئی۔

یہ آیت سورۂ براۃ کی ہے۔ سورۂ براۃ بالاتفاق نازل ہوئی ہے

جب اسلام کی ظاہری فتح مندیاں تکمیل تک پہنچ چکی تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں کے ظہور کے بعد بھی اس کی ضرورت باقی تھی کہ واقعہ ہجرت کی معنوی فتح مندی یاد دلائی جائے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی دیگر تصانیف

مقالات الہلال

سلسلہ الہلال کی دوسری جلد

اس کتاب میں ذیل کے مضامین جمع کئے گئے ہیں :-

۱۔ مساجد اسلامیہ اور خطبات سیاسیہ ۳۔ نظام حکومتِ اسلامیہ

۲۔ مسجد ضرار ۴۔ سقوط ادرنہ

۵۔ مسئلہ سود

مضامین الہلال

سلسلۂ الہلال کی تیسری جلد

اس کتاب میں درج ذیل مضامین جمع کئے گئے ہیں :۔

صدائے حق — دعوتِ حق — جہاد اور اسلام

فاتحین کا داخلہ (مفتوحہ ممالک میں) — افسانہ ہجر و وصال

اصحاب کہف

یہ کتاب ایک بہت بڑا تاریخی کارنامہ ہے، جسے مولانا
ابوالکلام آزاد مرحوم نے پیش کیا۔ واقعات اصحاب کہف
و ذوالقرنین پر بلند پایہ علمی تحقیق کا بے نظیر مرقع، جو ادبی
لطافتوں اور ٹھوس علمی معلومات سے لبریز ہے مولانا ابوالکلام
آزاد نے اپنی اس تصنیف میں حسب ذیل عنوانات کے
تحت موضوع کو اپنے مخصوص انداز میں پیش فرمایا ہے۔

عنوانات

۱۔ اصحاب کہف ۲۔ اصل واقعہ ۳۔ غار کی نوعیت
۴۔ ذوالقرنین ۵۔ دانیال نبی کا خواب ۶۔ قرآن کی
تصریحات اور سائرس ۷۔ اسرائیلی نبیوں کی شہادت
۸۔ کیا ذوالقرنین نبی تھا۔ ۹۔ یاجوج ماجوج —

قیمت دو روپے